مشرق

کہانی میگزین

7 تا 13 جون 2026ء

پاکستان میں دہشت گردی کا مسلسل بڑھتا ہوا خطرہ، کیا ریاست مقابلہ کر سکے گی؟

گلگت بلتستان: انتخابی طوفان، جمہوریت کا امتحان اور عوام کی امید و مایوسی کی کہانی

میزائل پروگرام پر خدشات سے حقیقی دوستی تک:

پیٹ ہیگسیتھ نے شنگریلا کانفرنس میں پاکستان امریکہ تعلقات پر کیا کہا؟

دنیا کو ایک ارب بیرل سے زائد تیل کی قلت کا سامنا

پہلے جنگ ختم ہو گی یا عالمی طاقتوں کے سٹریٹجک ذخائر؟

افغانستان کا روس کیساتھ تکنیکی فوجی معاہدہ

نیتن یاہو کے لیے ایک ڈراؤنا منظر نامہ

امریکہ، ایران معاہدہ ہو گیا تو اسرائیل کے پاس کیا آپشنز ہوں گے؟

ایران اور امریکہ کے درمیان جنگ بندی میں توسیع اور ایک ’مفاہمتی یادداشت‘ تک پہنچنے کے لیے کوششیں جاری ہیں، جبکہ اسرائیل میں اس کے امکانات اور ممکنہ نتائج پر بحث ہو رہی ہے۔

ایران اور امریکہ کے درمیان جنگ بندی میں توسیع اور ایک ’مفاہمتی یادداشت‘ تک پہنچنے کے لیے کوششیں جاری ہیں، جبکہ اسرائیل میں اس کے امکانات اور ممکنہ نتائج پر بحث ہو رہی ہے۔ اصل سوال صرف یہ نہیں ہے کہ آیا کوئی معاہدہ طے پاتا ہے یا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ اگر واشنگٹن اور تہران کسی معاہدے تک پہنچ جاتے ہیں تو اسرائیل کیا کرے گا؟

ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اسرائیلی میڈیا، ریسرچ سینٹرز اور سکیورٹی حلقوں میں بحث اب مکمل طور پر معاہدے کو روکنے کی کوشش سے آگے بڑھ چکی ہے اور اس کے بجائے اس بات پر زیادہ توجہ دی جا رہی ہے کہ ایک ممکنہ معاہدے سے کیسے نمٹا جائے، جو نہ صرف ایران کے جوہری پروگرام بلکہ خطے میں اسرائیل کی فوجی کارروائیوں کی آزادی کو بھی متاثر کر سکتا ہے۔

اسرائیل کو کس طرح کے معاہدے سے پریشانی ہو سکتی ہے؟

اسرائیل کی تشویش کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ممکنہ جوائنٹ کمپری ہینسو ایکشن پلان (2015 کے ایران جوہری معاہدے) کے ترمیم شدہ ورژن سے ملتا جلتا ہوگا، جس سے ایران کا جوہری پروگرام تو محدود ہو جائے گا مگر یہ تہران کا میزائل نیٹ ورک، ڈرونز اور اس کے پروکسی گروہوں کو برقرار رکھے گا۔ ٹائمز آف اسرائیل کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق اسرائیل میں بہت سے حلقوں کو خدشہ ہے کہ ممکنہ معاہدہ جنگ کے آغاز میں طے کیے گئے اہداف کو پورا نہیں کرے گا، جن میں ایران کے علاقائی اثر و رسوخ کو محدود کرنا، تہران کے فوجی ڈھانچے کو کمزور کرنا اور اس کے علاقائی اتحادیوں کے نیٹ ورک کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔

اخبار کے مطابق اس مرحلے پر اسرائیل کا ہدف شاید ’مکمل فتح‘ حاصل کرنا نہ ہو بلکہ واشنگٹن سے ایران کے جوہری پروگرام اور حزب اللہ کی جانب سے درپیش خطرے کے حوالے سے واضح ضمانتیں حاصل کرنا ہو سکتا ہے۔ لیکن اسرائیل میں اس صورتحال سے نمٹنے کے طریقے پر کوئی اتفاقِ رائے موجود نہیں ہے۔ اسرائیل انسٹیٹیوٹ فار نیشنل سکیورٹی سٹڈیز کے محقق اور اسرائیلی فوج کے ملٹری انٹیلیجنس ریسرچ ڈائریکٹوریٹ کے ایران ڈویژن کے سابق سربراہ ڈینی سیٹرینووچ نے اپنے ایکس اکاؤنٹ پر لکھا کہ تہران اور واشنگٹن کے درمیان ابھرتا ہوا معاہدہ ’کئی حوالوں سے نیتن یاہو کے لیے ایک ڈراؤنا منظر نامہ‘ ثابت ہو رہا ہے۔ انھوں نے خبردار کیا کہ اگر حتمی مذاکرات طویل عرصے تک تعطل کا شکار رہتے ہیں اور ٹرمپ انتظامیہ بتدریج اس میں اپنی دلچسپی کھو دیتی ہے، تو نیتن یاہو خود کو ایسی صورتحال میں پا سکتے ہیں جسے وہ جنگ سے پہلے کی حالت سے بھی زیادہ بدتر سمجھتے ہیں۔

ایک ایسی حالت جسے ڈینی سیٹرینووچ اس طرح بیان کرتے ہیں: ’ایران کے جوہری پروگرام پر کوئی حقیقی پابندیاں نہ ہوں، امریکہ کی جانب سے دوبارہ فوجی کارروائی کی کوئی امید نہ ہو اور تہران کا علاقائی اثر و رسوخ بڑھتا جائے۔‘ تاہم ڈینی سیٹرینووچ نے مزید کہا کہ ایران کی افزودہ یورینیم کے ذخیرے کو کم کرنے اور اس کے جوہری پروگرام کے بعض حصوں کو روکنے کے لیے ایک ’نامکمل اور خامیوں سے بھرپور‘ معاہدہ بھی کسی معاہدے کے نہ ہونے سے بہتر ہو سکتا ہے۔

لیکن اسرائیل میں ہر کوئی اس موقف سے متفق نہیں ہے اور کچھ کا خیال ہے کہ اگر جنگ اسرائیل اور امریکہ کے اہداف حاصل کرنے میں ناکام رہتی ہے تو کوئی بھی معاہدہ ایک ناقص انتخاب ہوگا۔ یہ اختلافِ رائے اسرائیل کے سکیورٹی اور تجزیاتی ماحول میں موجود خلا کی عکاسی کرتا ہے۔ بعض تجزیہ کاروں کے مطابق ایک ممکنہ معاہدہ اسرائیل کے لیے ناپسندیدہ ہو سکتا ہے، لیکن مذاکرات کی مکمل ناکامی ایک زیادہ خطرناک صورتحال کو بھی جنم دے سکتی ہے۔ ایسے ماحول میں اسرائیل کو متعدد آپشنز اور متبادل راستوں کا سامنا ہے۔

پہلا آپشن: معاہدے کو مشکل بنانے کی کوشش

اسرائیل کے پاس دستیاب ابتدائی آپشنز میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کسی بھی معاہدے کے حتمی متن پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرے۔ چھ مئی کو شائع ہونے والے ایک مضمون میں یروشلم انسٹیٹیوٹ فار سٹریٹجی اینڈ سکیورٹی نے اسرائیل کے سابق قومی سلامتی کے مشیر یعقوب عمیدرور کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ایران کے ساتھ کسی بھی ممکنہ معاہدے میں اسرائیل کے اہم مطالبات میں یورینیم کی افزودگی کو روکنا، میزائل پروگرام پر پابندیاں عائد کرنا اور عملدرآمد کا ایک سخت نظام قائم کرنا شامل ہونا چاہیے۔

یہ موقف اس امکان کو واضح کرتا ہے، جس سے اسرائیل اب بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ امریکہ اور ایران کے درمیان ہونے والے کسی بھی ممکنہ معاہدے کو اس انداز میں ڈھالنے کی کوشش کی جائے کہ وہ تہران کے لیے زیادہ سخت اور مہنگا ثابت ہو۔ تاہم تمام اسرائیلی تجزیہ کار اس معاہدے کو، حتیٰ کہ اس کی محدود شکل کو بھی، قابلِ قبول نہیں سمجھتے۔ یروشلم پوسٹ نے سینیئر اسرائیلی حکام کے حوالے سے لکھا کہ تہران اور واشنگٹن کے درمیان ابھرتا ہوا معاہدہ ’ایک برا معاہدہ‘ ہے، جو ایران کو یہ پیغام دیتا ہے کہ وہ بحران پیدا کر کے اور آبنائے ہرمز سے متعلق دباؤ جیسے حربے استعمال کر کے امریکہ سے مزید مراعات حاصل کر سکتا ہے۔ تاہم کچھ مبصرین کا کہنا ہے کہ اسرائیل کے مطالبات اور ٹرمپ انتظامیہ جس چیز کو قبول کر سکتی ہے، ان کے درمیان فرق بڑھتا جا رہا ہے۔

امریکن فارن پالیسی کونسل کے سینیئر نائب صدر ایلان برمن نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ اگر کوئی نیا معاہدہ طے پا جاتا ہے تو اسرائیل خود کو زیادہ مشکل صورتحال میں پا سکتا ہے، خصوصاً

اگر اس معاہدے میں لبنان کے اندر اور حزب اللہ کے خلاف اسرائیل کی فوجی کارروائی کی آزادی پر پابندیاں شامل ہوں۔ برمن کے مطابق بالآخر اسرائیل کو غالباً واشنگٹن کے فیصلوں کو قبول کرنا پڑے گا، جب تک کہ وہ امریکہ کو اس بات پر قائل نہ کرے کہ اسے ایک ’فوری اور سنگین خطرہ‘ لاحق ہے۔

2015 کے معاہدے کے بعد کی پالیسی دوبارہ اپنانا

ایک اور آپشن جس کی طرف اسرائیلی حکام غالباً ماضی کو مدنظر رکھتے ہوئے رجوع کریں گے وہ 2015 کے جوہری معاہدے کا تجربہ ہے، جسے جوائنٹ کمپری ہینسو ایکشن پلان کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ اسرائیل کو اس بات پر آمادہ کر سکتا ہے کہ وہ امریکہ اور ایران کے درمیان مفاہمت کو ایک جامع معاہدے میں تبدیل ہونے سے روکنے کے لیے اپنی تمام تر کوششیں بروئے کار لائے۔ سنہ 2015 میں جوہری مذاکرات کے دوران بنیامین نیتن یاہو کی حکومت تقریباً باراک اوباما کی حکومت کیساتھ ایک کھلے تصادم میں داخل ہو گئی تھی۔

اسی برس مارچ میں نیتن یاہو نے وائٹ ہاؤس سے مشاورت کے بغیر ریپبلکنز کی دعوت پر امریکی کانگریس سے خطاب کیا، جس میں انھوں نے ایران کے ساتھ ممکنہ جوہری معاہدے کو ’اسرائیل کی بقا کے لیے خطرہ‘ قرار دیا۔ یہ خطاب، جو اوباما اور نیتن یاہو کے درمیان کشیدگی کے عروج پر کیا گیا، ان نایاب مواقع میں سے ایک بن گیا جب کسی غیر ملکی رہنما نے امریکی داخلی سیاست میں مداخلت کی ہو۔ اسی وقت اسرائیل کے حامی لابنگ گروپس، خصوصاً امریکن اسرائیل پبلک افیئرز کمیٹی، نے جوہری معاہدے کے خلاف ایک وسیع مہم شروع کی تھی۔

اس وقت امریکی میڈیا نے رپورٹ کیا تھا کہ امریکن اسرائیل پبلک افیئرز کمیٹی نے اس معاہدے کو روکنے کے لیے تشہیر، کانگریس میں لابنگ اور اپنی سیاسی نیٹ ورک کو متحرک کرنے کے لیے کروڑوں ڈالر خرچ کیے تھے۔ تاہم یہ تمام کوششیں سنہ 2015 کے معاہدے کو روکنے میں ناکام رہیں، لیکن اسرائیل اور امریکہ میں اس معاہدے کے مخالفین نے سیاسی اور میڈیا دباؤ جاری رکھا اور بعد کے برسوں میں نیتن یاہو کی حکومت نے جوہری معاہدے کو ’تباہ کن‘ قرار دینے کی کوشش کی۔ اس کوشش کے نتیجے میں 2018ء میں ڈونلڈ ٹرمپ نے اس معاہدے سے دستبرداری اختیار کی تھی۔

کچھ اسرائیلی تجزیہ کاروں کو اب خدشہ ہے کہ نیا معاہدہ ملک کے لیے 2015 کے جوہری معاہدے سے بھی بدتر ہو سکتا ہے کیونکہ ایران اس وقت مذاکرات کی میز پر اس پوزیشن میں ہے کہ وہ جانتا ہے کہ امریکہ اور اسرائیل اس جنگ میں کامیابی حاصل نہیں کر سکے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ مذاکرات میں مزید مراعات کا مطالبہ کرے گا۔

تاہم ایسے حالات میں اسرائیل کے لیے موجود موقع یہ ہے کہ تمام مشکل اور پیچیدہ مسائل کو کسی ممکنہ معاہدے تک مؤخر کر دیا جائے، جس کا آغاز ایران کے افزودہ یورینیم کے ذخائر کے مستقبل اور جوہری پروگرام کی تقدیر کے تعین سے لے کر پابندیاں اٹھانے کے معاملے تک ہو سکتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی مسئلہ مذاکراتی عمل کو پٹڑی سے اتارنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ صورتحال اسرائیل کے لیے ایک ایسا موقع بھی پیدا کر سکتی ہے کہ وہ 2015 کے جوہری معاہدے کے دور میں استعمال کیے گئے وہی ذرائع دوبارہ استعمال کرے، یعنی ابتدائی مفاہمت اور حتمی معاہدے کے درمیان موجود خلا میں واشنگٹن پر سیاسی دباؤ ڈالنا، کانگریس کو متاثر کرنے کی کوشش کرنا، ایران کی علاقائی اور میزائل سرگرمیوں کو اجاگر کرنا اور حتیٰ کہ مذاکراتی عمل کو غیر مستحکم کرنے کے لیے خفیہ اور انٹیلیجنس کارروائیوں کو تیز کرنا۔

اسرائیل کے سابق قومی سلامتی کے مشیر یعقوب عمیدرور نے فاکس نیوز کو بتایا کہ کوئی بھی ایسا معاہدہ جو ایران کو یورینیم کی افزودگی کی صلاحیت برقرار رکھنے کی اجازت دے یا اس کے میزائل پروگرام اور اتحادی گروہوں کے نیٹ ورک کو جوں کا توں چھوڑ دے، اسرائیل کے نقطہ نظر سے ناکافی ہوگا۔ کچھ تجزیہ کاروں کے مطابق یہ موقف اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اگر تہران اور واشنگٹن ابتدائی معاہدے تک پہنچ بھی جائیں تب بھی اسرائیل اسے آخری مرحلہ نہیں سمجھے گا بلکہ ممکن ہے کہ وہ اس معاہدے کو تبدیل کرنے، محدود کرنے یا حتیٰ کہ اسے ناکام بنانے کی نئی کوششوں کے آغاز کے طور پر دیکھے۔

دوسرا آپشن: عسکری کارروائیوں کی آزادی برقرار رکھنا

لیکن ایک دوسرا آپشن بھی ہے، جسے اسرائیل کسی بھی ممکنہ معاہدے کے باوجود برقرار رکھنے کی کوشش کر سکتا ہے اور اسرائیلی سکیورٹی حکام اسے ’آزادیٔ عمل‘ قرار دیتے ہیں، یعنی ایران اور خطے میں اپنے اہداف کے خلاف حملے یا فوجی کارروائیاں کرنے کی صلاحیت برقرار رکھنا۔

امریکن انٹرپرائز انسٹی ٹیوٹ سے منسلک محقق اور پینٹاگون کے سابق عہدیدار مائیکل روبن نے بتایا: ’اگر اسرائیل اس معاہدے کا حصہ نہیں ہے تو اس کے پاس تمام آپشنز برقرار رہیں گے۔‘ ان کا ماننا ہے کہ اسرائیل کچھ وقت تک انتظار کر سکتا ہے، لیکن یہ امکان کم ہے کہ وہ طویل مدت کے لیے خود کو ایسے معاہدے کا پابند سمجھے گا، جس پر اس نے دستخط نہیں کیے۔

روبن یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اسرائیل کو محسوس ہو کہ ایران اس کے ’وجود کے لیے خطرہ‘ بن گیا ہے تو ’کوئی بھی چیز اسرائیل کو حملہ کرنے سے نہیں روک سکے گی۔‘ وہ مزید کہتے ہیں: ’ٹرمپ ہمیشہ یہ سمجھتے رہے ہیں کہ ان کے پاس ایک جادوئی چھڑی ہے، جسے لہرا کر وہ امن حاصل کر سکتے ہیں۔ نیتن یاہو بھی اس خیال کو چیلنج نہیں کرنا چاہتے، کیونکہ ٹرمپ بہت حساس ہیں۔‘ تاہم خود اسرائیل کے اندر بھی ہر کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ فوجی آپشن آسانی سے دہرایا جا سکتا ہے۔

اسرائیلی اخبار ہارٹز نے حالیہ جنگ کے اپنے تجزیے میں لکھا کہ براہ راست امریکی حمایت کے بغیر ایران کے ساتھ وسیع اور طویل تصادم کو جاری رکھنے کی اسرائیل کی صلاحیت محدود ہوگی، خاص طور پر اگر واشنگٹن سفارت کاری کے راستے کو ترجیح دینے کا فیصلہ کر لے۔ اس تناظر میں کچھ اسرائیلی تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ اگر اسرائیل اپنی فوجی کارروائی کی آزادی کو برقرار رکھنا چاہے تب بھی امریکہ پر اس کا فوجی اور سیاسی انحصار اس کی سب سے اہم پابندیوں میں سے ایک رہے گا۔ (باقی صفحہ 15 پر)

پاکستان میں دہشت گردی کا مسلسل بڑھتا ہوا خطرہ کیا ریاست مقابلہ کر سکے گی؟

بلوچستان اور خیبر پختونخوا کے دور دراز علاقوں میں دہشت گردوں کا اثر ورسوخ نہ صرف جاری ہے بلکہ بعض مقامات پر ریاستی اداروں سے زیادہ مضبوط دکھائی دیتا ہے، جو ریاست کی خودمختاری اور عوامی اعتماد پر براہ راست حملہ ہے۔

مقصود خالد

پاکستان جیسے اسٹریٹجک طور پر اہم اور جغرافیائی اعتبار سے حساس ملک کے لیے دہشت گردی کا مسئلہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ یہ گزشتہ کئی دہائیوں سے اس کی قومی سلامتی، سیاسی استحکام، معاشی ترقی اور سماجی ہم آہنگی کو مسلسل کھوکھلا کرتا چلا آ رہا ہے۔ آج جب ہم 2020 کی دہائی کے وسط میں کھڑے ہیں تو یہ خطرہ پہلے سے کہیں زیادہ سنگین، منظم اور کثیرالجہتی شکل اختیار کر چکا ہے۔ افغانستان، جو ایک زمانے میں پاکستان کا قریبی اتحادی سمجھا جاتا تھا، آج نہ صرف بھارت کے زیادہ قریب دکھائی دیتا ہے بلکہ روس کے ساتھ اپنے دفاعی اور سفارتی تعلقات کو بھی تیزی سے وسعت دے رہا ہے۔ یہ تبدیلیاں خطے کی طاقت کے توازن کو تبدیل کر رہی ہیں اور پاکستان کو اندرونی اور بیرونی دونوں محاذوں پر دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے جال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ تمام تر سیکورٹی آپریشنز، انٹیلی جنس بیسڈ کارروائیوں، فوجی اور نیم فوجی دستوں کی بھرپور متحرکی کے باوجود، ریاست ابھی تک دہشت گردی کی اس لپیٹ سے مکمل طور پر باہر نہیں نکل سکی ہے۔ داخلی سیاسی تقسیم، صوبائی اور وفاقی حکومتوں کے درمیان ہم آہنگی کا فقدان، حکومتی رٹ کا کمزور ہونا، اور سیاسی مفاہمت کی عدم موجودگی نے اس بحران کو مزید پیچیدہ اور حل طلب بنا دیا ہے۔ بلوچستان اور خیبر پختونخوا کے دور دراز علاقوں میں دہشت گردوں کا اثر و رسوخ نہ صرف جاری ہے بلکہ بعض مقامات پر ریاستی اداروں سے زیادہ مضبوط دکھائی دیتا ہے، جو ریاست کی خودمختاری اور عوامی اعتماد پر براہ راست حملہ ہے۔

حالیہ واقعات نے اس صورتحال کی سنگینی کو مزید واضح کر دیا ہے۔ بنوں اور لکی مروت میں دہشت گردی کے خوفناک حملوں کے فوراً بعد کوئٹہ میں ٹرین پر ہونے والا حملہ، جس میں درجنوں معصوم شہری ہلاک ہوئے، یہ ثابت کرتا ہے کہ دہشت گرد نہ صرف فعال ہیں بلکہ ان کے اہداف منتخب اور ریاست کو چیلنج کرنے والے ہیں۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں امن کمیٹی کے ارکان کی ٹارگٹ کلنگ، پولیوٹیموں کی سیکورٹی پر مامور پولیس اہلکاروں پر حملے، اور بلوچستان میں ٹرینوں اور مواصلاتی راستوں پر مسلسل بڑھتے حملے اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ دہشت گرد دانستہ طور پر معاشی، سماجی اور نفسیاتی طور پر ریاست کو کمزور کرنے کی حکمت عملی پر کام کر رہے ہیں۔ ان حملوں کا بنیادی مقصد صرف جانی نقصان نہیں بلکہ یہ پیغام دینا ہے کہ حکومتی رٹ ناکارہ ہے، ریاستی ادارے ناکام ہیں، اور دہشت گرد جب چاہیں، جہاں چاہیں، اپنی طاقت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ گوادر یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور عملے کی یرغمالداری کا واقعہ اسی تسلسل کی ایک کڑی تھا، جو نہ صرف تعلیمی اداروں کی حفاظت بلکہ مجموعی طور پر ریاست کی ناکامی کو اجاگر کرتا ہے۔ اگرچہ سیکورٹی فورسز نے متعدد کامیاب آپریشنز میں دہشت گردوں کو ہلاک کیا ہے اور روزانہ بنیاد پر انٹیلی جنس معلومات کی بنیاد پر کارروائیاں جاری ہیں، تاہم یہ اقدامات ردعمل کی نوعیت کے زیادہ ہیں اور جڑوں تک نہیں پہنچ رہے۔ دہشت گردی کا نیٹ ورک جدید ٹیکنالوجی، آن لائن پروپیگنڈا، کراس بارڈر سپورٹ اور مقامی غربت، بے روزگاری اور عدم اطمینان سے فائدہ اٹھاتا ہوا مسلسل دوبارہ منظم ہو رہا ہے۔

ریاست کے موقف کے مطابق، بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں ہونے والے بیشتر واقعات میں بھارت اور افغانستان کا گٹھ جوڑ واضح ہے، جو پراکسی وار کے ذریعے پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کی طویل مدتی حکمت عملی کا حصہ ہے۔ بھارت نے افغانستان میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا کر پاکستان کے خلاف ایک اسٹریٹجک محاذ کھول رکھا ہے، جبکہ طالبان حکومت کی قیادت میں افغانستان نہ صرف ٹی ٹی پی جیسے گروہوں کو پناہ دینے کا الزام اٹھا رہا ہے بلکہ خود روس اور بھارت کے ساتھ تعلقات کو مضبوط بنا رہا ہے۔ ماضی میں پاکستان اور افغانستان کے درمیان قریبی تعلقات کی بنیاد مذہبی، ثقافتی اور جغرافیائی قربت پر تھی، لیکن آج بداعتمادی، بارڈر تنازعات، اور باہمی الزام تراشی نے اسے زہریلا بنا دیا ہے۔ چین نے ثالثی کی کوششیں کیں، سعودی عرب، قطر اور ترکیہ نے بھی سفارتی کردار ادا کیا، مگر نتائج محدود رہے۔ ٹی ٹی پی کا افغان سرزمین سے پاکستان میں داخل ہو کر حملے کرنا اور پھر واپس محفوظ پناہ گاہوں میں جانا اس مسئلے کی سنگینی کو ظاہر کرتا ہے۔ افغان حکومت کا موقف کہ یہ پاکستان کے اندرونی مسائل ہیں، جبکہ پاکستان کا الزام کہ افغان سرزمین دہشت گردی کا مرکز بن چکی ہے، دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کو مزید خراب کر رہا ہے۔ اگر چین جیسا بڑا اتحادی بھی بریک تھرو نہ لا سکا تو خطے میں دہشت گردی کی لہر مزید پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

دہشت گردی کا یہ بحران صرف خارجی سازشوں کا نتیجہ نہیں بلکہ داخلی سیاسی اور گورننس کی ناکامیوں کا مرہون منت بھی ہے۔ خیبر پختونخوا میں پاکستان تحریک انصاف کی حکومت نے فوجی آپریشنز کی بجائے مذاکرات کی پالیسی پر زور دیا، جسے وفاقی حکومت اور اسٹیبلشمنٹ نے عدم تعاون اور بعض اوقات سہولت کاری قرار دیا۔ اگرچہ حالیہ عرصے میں وزیر داخلہ محسن نقوی اور صوبائی قیادت کے درمیان کچھ ہم آہنگی پیدا ہوئی ہے، مگر بلوچستان میں صوبائی حکومت کا کنٹرول کمزور، مقامی سیاسی قوتوں کا ریاستی اداروں پر عدم اعتماد، اور وفاقی پالیسیوں کے حوالے سے شدید تحفظات اب بھی موجود ہیں۔ یہ فقدان ہم آہنگی دہشت گردوں کو موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ سیاسی خلا کو اپنے حق میں استعمال کریں۔ وفاقی حکومت کے بعض وزراء کی طرف سے پی ٹی آئی پر بلا جواز الزامات نے بداعتمادی کی فضا کو مزید خراب کیا ہے۔ سیاسی تقسیم، اسٹیبلشمنٹ اور سیاسی جماعتوں کے درمیان محاذ آرائی، معاشی بحران، مہنگائی، بے روزگاری اور گورننس کے مسائل نے مجموعی طور پر ریاست کی صلاحیت کو کمزور کر دیا ہے۔ جب ریاست خود اپنے اندرونی سیاسی عناصر کے ساتھ لڑائی میں مصروف ہو تو دہشت گرد اس انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ سیاسی مسائل کو طاقت کے بل بوتے پر حل کرنے کی کوششیں ہمیشہ ناکام رہی ہیں اور مسائل کو مزید گہرا کرتی ہیں۔ آج اگر پی ٹی آئی سمیت دیگر سیاسی قوتوں کو دیوار سے لگانے کی پالیسی جاری رہی تو سیاسی استحکام ناممکن ہو جائے گا، جو دہشت گردی کے خلاف جنگ کو مزید مشکل بنا دے گا۔ معاشی کمزوری اس بحران کا لازمی حصہ ہے۔ دہشت گردی اور عدم استحکام کی وجہ سے بیرونی سرمایہ کاری کا فقدان، مقامی سرمایہ کاروں کا سرمایہ بیرون ملک منتقل کرنا، اور مجموعی طور پر ترقیاتی پروگراموں کی رکاوٹ نے ملک کو کمزور کیا ہے۔ سرمایہ کار محفوظ ماحول چاہتے ہیں، جہاں حکومتی رٹ مضبوط ہو، قانون کی حکمرانی ہو، اور سیاسی مفاہمت موجود ہو۔ گورننس کے مسائل، کرپشن، بیوروکریٹک ناکامیاں، اور صوبائی و وفاقی سطح پر ہم آہنگی کا فقدان نے سیکورٹی چیلنجز کو بڑھا دیا ہے۔

اس لیے دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے ایک جامع، ملٹی ڈائمینشنل حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ صرف فوجی آپریشنز کافی نہیں؛ سیاسی مفاہمت، معاشی بحالی، سماجی اصلاحات، اور قومی بیانیہ کی تشکیل ناگزیر ہے۔ اپیکس کمیٹیوں کو محض رسمی اجلاسوں تک محدود رکھنے کی بجائے انہیں فعال، بااختیار اور نتائج پر مبنی بنانا ہوگا۔ بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں قوم پرست جماعتوں اور مقامی قیادت کو مذاکرات کے ذریعے شامل کیا جائے، جو ریاستی دائرے میں رہ کر مسائل حل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ دہشت گردی کی ہر شکل کی غیر مشروط مذمت اور اس میں ملوث تمام عناصر کے خلاف بلا امتیاز کارروائی ضروری ہے۔

ریاست کو اپنی داخلی کمزوریوں کا ایماندارانہ جائزہ لینا چاہیے۔ خارجی دشمنوں کے کردار کو عالمی سطح پر اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اندرونی اصلاحات پر توجہ دی جائے۔ قومی مفاہمت کی ایک بڑی ابتداء کی ضرورت ہے، جہاں ذاتی اور جماعتی مفادات سے بالاتر ہو کر قومی مفاد کو ترجیح دی جائے۔ سیاسی برداشت، لچک، اور بات چیت کے دروازے کھلے رکھے جائیں۔ اگر پاکستان خود کو ایک پرامن، مستحکم اور ترقی یافتہ ریاست کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہے تو دہشت گردی کا خاتمہ اس کی قومی بقا کا مسئلہ ہے۔ یہ جنگ صرف فوج کی نہیں، پوری قوم کی ہے۔ عوام، سیاسی جماعتیں، سول سوسائٹی، مذہبی علما، اور ریاستی ادارے سب کو ایک پیج پر آنا ہوگا۔

اس طویل اور پیچیدہ بحران کے حل کے لیے طویل مدتی پلاننگ، مسلسل نگرانی، انٹیلی جنس شیئرنگ، بارڈر مینجمنٹ کی بہتری، مقامی سطح پر ڈیولپمنٹ پروگرامز، تعلیم اور نوجوانوں کو ideologyextremist سے دور رکھنے کی کوششیں، اور سب سے بڑھ کر سیاسی استحکام درکار ہے۔ اگر یہ سب نہ کیا گیا تو دہشت گردی نہ صرف جاری رہے گی بلکہ معاشی، سیاسی اور سماجی طور پر پاکستان کو مزید پیچھے دھکیل دے گی۔ موجودہ حالات میں ریاست اور حکومت کے پاس وقت بہت کم ہے۔ غیر معمولی چیلنجز کے لیے غیر معمولی قومی اتحاد اور حکمت عملی ہی واحد راستہ ہے۔

افغانستان کا روس کیساتھ ’تکنیکی فوجی‘ معاہدہ

پاکستان کیساتھ کشیدگی اور وسطی ایشیا کی بدلتی ہوئی طاقت کا توازن

معظم خان

افغانستان کے فضائی دفاعی ڈھانچے پر مزید غور کیا جائے گا کہ کون سا نظام بہتر ہے اور اسے کن ممالک سے حاصل کیا جائے۔ طالبان کی فوج، جو ابھی تک مختلف گروہوں پر مشتمل ہے، کو منظم تربیت کی ضرورت ہے۔

طالبان حکومت نے روس جیسے عالمی طاقت کے ساتھ ایک جامع تکنیکی فوجی معاہدے کی بنیاد رکھ دی تھی، پاکستان دوبارہ حملہ کرنے کی جرات نہ کرے، ملا یعقوب طالبان وزیر دفاع

ماسکو کے برفیلے شہر میں ایک بین الاقوامی سکیورٹی فورم کے اختتام پر جب طالبان حکومت کے وزیرِ دفاع ملا محمد یعقوب مجاہد اپنے وفد کے ساتھ واپس کابل ایئرپورٹ اترے تو ان کے چہرے پر ایک واضح اطمینان اور مستقبل کی طرف دیکھتے ہوئے ایک نئی حکمتِ عملی کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ یہ دورہ محض ایک رسمی شرکت نہیں تھا بلکہ افغان تاریخ کے ایک اہم موڑ کی نشاندہی کرتا تھا، جہاں 2021 میں اقتدار سنبھالنے کے بعد طالبان حکومت نے روس جیسے عالمی طاقت کے ساتھ ایک جامع تکنیکی فوجی معاہدے کی بنیاد رکھ دی تھی۔ یہ معاہدہ نہ صرف روسی ساختہ فوجی ساز و سامان کی مرمت، دیکھ بھال اور جدید کاری پر مبنی ہے بلکہ طالبان افواج کی تربیت، ہیلی کاپٹروں کی مرمت، فضائی دفاعی نظام کی بحالی اور زمینی ہتھیاروں کی اپ گریڈیشن جیسے اہم شعبوں کو بھی محیط ہے۔ ملا یعقوب نے کابل ایئرپورٹ پر نامہ نگاروں سے گفتگو کرتے ہوئے واضح کیا کہ فوجی شعبے میں افغانستان میں موجود زیادہ تر ٹیکنالوجی اب بھی روسی نژاد ہے، جو سوویت دور کی باقیات اور پچھلے دہائیوں کی لڑائیوں کی میراث ہے۔ ان کے بقول، ’’ہیلی کاپٹروں، آلات اور ہتھیاروں کی مختلف شعبوں میں مرمت اور ترقی کی شدید ضرورت ہے۔ ہم اس شعبے میں ان ممالک کے ساتھ معاہدے کرنے پر مجبور ہیں جن کی اپنی پیداواری سہولیات ہیں۔ روس کے ساتھ یہ معاہدہ ہمیں موجودہ ہتھیاروں کا بہتر استعمال کرنے کے قابل بنائے گا۔‘‘ یہ بیان صرف ایک تکنیکی معاہدے کی وضاحت نہیں بلکہ ایک بڑی جغرافیائی سیاسی تبدیلی کا اعلان بھی تھا، جس میں طالبان حکومت پاکستان کے ممکنہ فضائی خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک مضبوط دفاعی ڈھال تیار کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

اس معاہدے کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے ہمیں افغان-روس تعلقات کی گہرائی میں جانا ہو گا۔ سوویت یونین کے 1979 کے حملے سے لے کر 1989 کی واپسی تک افغانستان نے روس (سابق سوویت یونین) کے ساتھ ایک لمبی اور خونریز تاریخ دیکھی ہے۔ اس دور میں لاکھوں افغان ہلاک ہوئے، لاکھوں مہاجر پاکستان اور ایران کی طرف ہجرت کر گئے، اور افغان مزاحمت کاروں (مجاہدین) نے امریکی اور سعودی امداد کے ساتھ سوویت فوج کو شدید نقصان پہنچایا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آج وہی طالبان، جو ایک وقت میں سوویت مخالف مزاحمت کا حصہ تھے، اب روس سے فوجی تعاون طلب کر رہے ہیں۔ 2021 میں امریکی انخلا کے بعد جب طالبان نے کابل پر قبضہ کیا تو روس ان چند ممالک میں شامل تھا جنہوں نے اپنا سفارت خانہ بند نہیں کیا۔ بلکہ 2022 میں روس نے طالبان حکومت کے ساتھ تیل، گیس اور گندم کی فراہمی کا معاہدہ بھی کیا، جو اس وقت طالبان کے لیے اقتصادی طور پر اہم ثابت ہوا۔ اب یہ فوجی معاہدہ اس اقتصادی تعاون کو ایک نئے سطح پر لے جا رہا ہے۔ ملا محمد یعقوب مجاہد کے حالیہ ماسکو دورے کے دوران روسی سلامتی کونسل کے مشیر سرگئی شوئیگو سے ملاقات میں دونوں فریقوں نے ”مکمل شراکت داری“ کی بات کی۔ روس، جو خود یوکرین جنگ میں مصروف ہے اور مغربی پابندیوں کا شکار ہے، وسطی ایشیا میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لیے افغانستان کو ایک اسٹریٹجک پارٹنر کے طور پر دیکھ رہا ہے۔

ملا یعقوب مجاہد کا بیان کہ ”ہم اس بات کو یقینی بنانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ پاکستان مستقبل قریب میں افغان سرزمین پر فضائی حملے کرنے کی جرات نہ کرے“، اس معاہدے کی سب سے حساس جہت کو اجاگر کرتا ہے۔ گزشتہ چند مہینوں سے پاکستان اور افغانستان کے درمیان کشیدگی عروج پر ہے۔ فروری میں اسلام آباد کی ایک امام بارگاہ میں ہونے والے خودکش دھماکے کے بعد پاکستان نے تحریک طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی) کو افغان سرزمین سے آپریشن کرنے کا الزام لگاتے ہوئے ”آپریشن غضب للحق“ شروع کیا۔ اس آپریشن میں پاکستان نے افغان سرحد کے قریبی علاقوں میں فضائی اور زمینی کارروائیاں کیں، جس کے نتیجے میں طالبان چوکیوں کو نقصان پہنچا اور دونوں جانب جانی نقصان ہوا۔ افغان فضائی دفاعی نظام کی کمزوری اس تنازعے میں کھل کر سامنے آئی۔ طالبان کے پاس جدید فضائی دفاعی میزائل سسٹم یا ریڈار نیٹ ورک کی کمی تھی، جو انہیں پاکستانی فضائیہ کے سامنے بے بس بناتا تھا۔ اب روس سے حاصل ہونے والے جدید فضائی دفاعی آلات، S-300 یا Pantsir جیسے سسٹم کی ممکنہ فراہمی، طالبان کو ایک مضبوط دفاعی صلاحیت دے سکتی ہے۔ ایک معتبر ذرائع کے مطابق یہ معاملہ کئی ماہ سے زیر بحث تھا اور ملا یعقوب کے دورے نے اسے عملی شکل دے دی۔

تاہم ملا یعقوب نے اس معاہدے کو ”صرف تکنیکی فوجی معاہدہ“ قرار دیا ہے، جس کا مقصد موجودہ روسی ساختہ ہتھیاروں کی مرمت اور بہتر استعمال ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ کوئی دفاعی معاہدہ نہیں جس سے کسی تیسری پارٹی کو تشویش ہو۔ لیکن تجزیہ کاروں کا ماننا ہے کہ یہ معاہدہ علاقائی توازن کو تبدیل کرنے والا ہو سکتا ہے۔ روس کے لیے یہ معاہدہ یوکرین جنگ کے دوران وسطی ایشیا میں نیٹو اور امریکہ کے اثر کو کم کرنے کا ایک موقع ہے۔ چین بھی، جو افغان معدنیات میں دلچسپی رکھتا ہے، اس پیش رفت کو قریب سے دیکھ رہا ہے۔ پاکستان، جو روس کے ساتھ بھی تعلقات بہتر کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اس معاہدے پر تشویش کا اظہار کر سکتا ہے کیونکہ یہ اس کی مغربی سرحد پر ایک نئی طاقت کے ابھرنے کی نشاندہی کرتا ہے۔

افغانستان کے فضائی دفاعی ڈھانچے پر بات کرتے ہوئے ملا یعقوب نے کہا کہ اس پر مزید غور کیا جائے گا کہ کون سا نظام بہتر ہے اور اسے کن ممالک سے حاصل کیا جائے۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ طالبان نہ صرف روس بلکہ ممکنہ طور پر ایران، چین یا دیگر ممالک سے بھی تعاون کی تلاش میں ہیں۔ طالبان کی فوج، جو ابھی تک مختلف گروہوں پر مشتمل ہے، کو منظم تربیت کی ضرورت ہے۔ روسی ماہرین کی تربیت اس میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ سوویت دور کے باقی ماندہ Mi-17 ہیلی کاپٹرز، T-62 ٹینک اور AK سیریز کی رائفلوں کی مرمت روس کی مدد سے ممکن ہو سکے گی، جو طالبان کی آپریشنل صلاحیت کو بڑھائے گی۔

اس پیش رفت کے وسیع تر اثرات کو دیکھیں تو وسطی ایشیا کی سلامتی کا پورا منظرنامہ بدل سکتا ہے۔ روس نے طالبان سے شدت پسند گروہوں جیسے داعش خراسان اور دیگر کے خلاف کارروائی کی یقین دہانی حاصل کی ہے۔ ملا یعقوب نے واضح کیا کہ وہ کسی کو بھی افغان سرزمین دوسروں کے خلاف استعمال نہیں ہونے دیں گے۔ پھر بھی، پاکستان کا موقف ہے کہ ٹی ٹی پی کو افغان پناہ گاہیں حاصل ہیں۔ یہ تناؤ اگر جاری رہا تو علاقائی جنگ کا خطرہ بڑھ سکتا ہے۔ دوسری طرف، روسی صدر ولادیمیر پوتن نے بھی کہا تھا کہ افغانستان کی صورتحال سے نمٹنے کے لیے طالبان کے ساتھ رابطے ناگزیر ہیں۔ یہ معاہدہ طالبان حکومت کی بین الاقوامی سطح پر تسلیم شدہ ہونے کی کوشش کا بھی حصہ ہے۔ اگرچہ زیادہ تر ممالک ابھی تک طالبان کو باضابطہ تسلیم نہیں کر چکے، روس جیسے ممالک کے تعاون سے ان کی سفارتی پوزیشن مضبوط ہو رہی ہے۔ اقتصادی طور پر بھی، روسی تیل اور گیس کی فراہمی افغانستان کے لیے لائف لائن ثابت ہو سکتی ہے، جبکہ معدنیات کی کان کنی میں روسی کمپنیاں شامل ہو سکتی ہیں۔

اس طویل کہانی کا مرکزی کردار ملا محمد یعقوب مجاہد خود ہیں، جو ملا عمر کے بیٹے ہونے کی وجہ سے طالبان کے اندر ایک اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا ماسکو دورہ نہ صرف فوجی بلکہ سیاسی کامیابی بھی تھا۔ وفد کی پیشگی تیاریاں، سرگئی شوئیگو سے ملاقات اور واپسی پر دیا گیا بیان، سب کچھ ایک سوچی سمجھی حکمت عملی کی عکاسی کرتا ہے۔

تاہم چیلنجز بھی کم نہیں۔ طالبان کی اندرونی تقسیم، انسانی حقوق کے مسائل، خواتین کی تعلیم پر پابندیاں، اور معاشی بحران اب بھی ان کی حکومت کو کمزور بناتے ہیں۔ روس خود اقتصادی دباؤ میں ہے، تو کیا وہ بڑے پیمانے پر فوجی امداد دے سکے گا؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔

افغانستان کے فضائی دفاعی ڈھانچے پر بات کرتے ہوئے ملا یعقوب نے کہا کہ اس پر مزید غور کیا جائے گا کہ کون سا نظام بہتر ہے اور اسے کن ممالک سے حاصل کیا جائے۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ طالبان نہ صرف روس بلکہ ممکنہ طور پر ایران، چین یا دیگر ممالک سے بھی تعاون کی تلاش میں ہیں

گلگت بلتستان: انتخابی طوفان، جمہوریت کا امتحان اور عوام کی امید و مایوسی کی کہانی

برفیلے پہاڑوں اور گہری وادیوں میں سیاسی میدان سج گیا، انتخابی جلسے اور ریلیوں میں تحریک انصاف کے الزامات۔ مسلم لیگ ن سے پیپلز پارٹی کے شکوے

ساجد خان

گلگت بلتستان کے پہاڑوں میں جہاں برفیلے نکڑ اور گہری وادیاں وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں، وہیں سیاست بھی ایک مسلسل بہاؤ کی مانند ہے جو کبھی امید کی لہریں اٹھاتی ہے اور کبھی مایوسی کی گہری خلیج پیدا کر دیتی ہے۔ آج جب سات جون کو اس خطے میں اسمبلی کے انتخابات ہونے والے ہیں تو فضا میں ایک خاص قسم کا جوش و خروش، الزامات، تردیدوں اور عوامی توقعات کا گہرا امتزاج موجود ہے۔ بیس سالہ نوجوان کاظم نقوی، جو اس بار پہلی بار ووٹ ڈالنے جا رہے ہیں، اس صورتحال کی عکاسی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ہمارے علاقے میں بنیادی انفراسٹرکچر کی شدید کمی ہے، پینے کے پانی، روزگار اور صحت کے مسائل بھی ہیں۔ ماضی میں نوجوانوں کے ساتھ روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے وعدے تو بہت ہوئے لیکن یہ وعدے آج تک پورے نہیں ہو سکے۔" یہ ایک عام نوجوان کی آواز ہے جو گلگت بلتستان کی سیاست کی حقیقت کو سمیٹے ہوئے ہے۔ دس اضلاع پر مشتمل اس خطے کی 24 جنرل نشستوں پر ہونے والا مقابلہ نہ صرف مقامی بلکہ قومی سیاست کا آئینہ بھی بن چکا ہے، جہاں وفاقی جماعتوں کے بڑے کھلاڑی میدان میں اتر چکے ہیں۔

انتخابی مہم زور و شور سے جاری ہے۔ پاکستان مسلم لیگ ن کی قیادت، بشمول سابق وزیراعظم نواز شریف، اور پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری گلگت بلتستان پہنچ چکے ہیں۔ انہوں نے بڑے بڑے جلسوں اور ریلیوں سے خطاب کیا ہے، وعدوں کی بارش کی ہے، ترقیاتی پیکجز کا اعلان کیا ہے اور عوام کو نئی صبح کی امید دلائی ہے۔ نواز شریف کی ریلیوں میں لوگوں کا ہجوم دیکھ کر لگتا ہے جیسے پرانی لوٹس کے نشانی والا جادو اب بھی کارگر ہے، جبکہ بلاول بھٹو زرداری کی تقریروں میں نوجوانوں اور خواتین کی بڑی تعداد موجود رہتی ہے جو پاکستان پیپلز پارٹی کی روایتی جڑوں کو مزید مضبوط کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ دونوں جماعتوں کے درمیان ماضی کے اتحادی تعلقات اب انتخابی میدان میں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی میں تبدیل ہو چکے ہیں، حالانکہ وفاقی سطح پر ان کا اتحاد برقرار ہے۔ اس صورتحال نے مقامی سیاستدانوں اور تجزیہ کاروں میں دلچسپ بحث چھیڑ دی ہے کہ کیا یہ اتحاد گلگت بلتستان میں بھی برقرار رہے گا یا نتائج کے بعد نئی سیاسی سودے بازی شروع ہو جائے گی۔

دوسری طرف پاکستان تحریک انصاف کی صورتحال سب سے زیادہ پیچیدہ اور متنازع ہے۔ پارٹی کو بطور جماعت انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی، جو فروری 2024 کے عام انتخابات والے تنازع کی یاد دلاتا ہے۔ پاکستان تحریک انصاف کے حمایت یافتہ امیدوار اب آزاد حیثیت میں میدان میں ہیں اور گلگت بلتستان ڈیموکریٹک پارٹی جیسی پلیٹ فارم کی کوشش بھی ناکام ہو چکی ہے۔ پاکستان تحریک انصاف رہنماؤں کا الزام ہے کہ ان کے سینئر لیڈرز، جن میں سلمان اکرم راجہ اور اسد قیصر شامل ہیں، کو علاقے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی، جبکہ جو پہنچے انہیں علاقہ بدر کر دیا گیا۔ اسد قیصر نے تیز الفاظ میں کہا کہ "کیا ہمارے لوگ انسداد دہشت گردی کے فورتھ شیڈول میں ہیں؟" یہ الزامات ریاستی اداروں کی جانب سے مداخلت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو نہ صرف تحریک انصاف بلکہ دیگر مخالف گروپوں مثلاً مجلس وحدت المسلمین کے امیدواروں نے بھی اٹھائے ہیں۔ البتہ گلگت بلتستان الیکشن کمیشن کے میڈیا کوآرڈینیٹر بہادر جمیل نے ان الزامات کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ تمام امیدواروں کے لیے ایک ہی کوڈ آف کنڈکٹ ہے اور کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کیا جا رہا۔ ان کا کہنا ہے کہ گلگت بلتستان ڈیموکریٹک پارٹی کی رجسٹریشن اس لیے معطل کی گئی کہ مطلوبہ دستاویزات جمع نہیں کروائی گئیں۔

یہ تنازع گلگت بلتستان کی سیاسی تاریخ کا تسلسل ہے۔ ماضی میں پاکستان تحریک انصاف کی حکومت یہاں قائم رہی تھی لیکن عمران خان کے خلاف عدم اعتماد کے بعد حالات بدل گئے۔ سابق وزیراعلیٰ کو جعلی ڈگری کیس میں نااہل قرار دیا گیا اور فارورڈ بلاک نے نئی حکومت بنائی جس کی حمایت PML-N اور PPP نے کی۔ اب وہ فارورڈ بلاک ارکان استحکام پاکستان پارٹی کے بینر تلے انتخابات لڑ رہے ہیں۔ یہ تبدیلیاں ظاہر کرتی ہیں کہ گلگت بلتستان میں سیاسی وفاداریاں کتنی سیال ہیں اور وفاقی دباؤ کتنا اثر انداز ہوتا ہے۔ تجزیہ کار نثار عباس کے مطابق اس بار بڑی جماعتوں نے باقاعدہ منشور جاری نہیں کیا، بلکہ مہم دور دراز علاقوں سے شروع کی گئی۔ تقریباً 300 آزاد امیدوار میدان میں ہیں جن میں پاکستان تحریک انصاف کے حامی بھی شامل ہیں۔ نوجوان اور خواتین گھر گھر جا کر ووٹروں کو امیدواروں کے انتخابی نشانات بتا رہے ہیں، جو 2024 کے انتخابات والے طریقہ کار کی یاد دلاتا ہے۔

انتخابی عمل پر تحفظات صرف پاکستان تحریک انصاف تک محدود نہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے سیکریٹری جنرل نیر بخاری نے انتخابی فہرستوں میں تبدیلیوں، ترقیاتی اعلانات اور پنجاب پولیس کی تعیناتی پر سوالات اٹھائے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ شیڈول اعلان کے بعد ترقیاتی اعلانات ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی ہیں۔ بلاول بھٹو زرداری کے "فارم 45 لا کر دو، فارم 47 جاری کروں گا" والے بیان کو دھاندلی سے جوڑا گیا، حالانکہ پاکستان پیپلز پارٹی اسے سیاق و سباق سے ہٹ کر پیش کیے جانے کا الزام لگاتی ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کا دعویٰ ہے کہ وہ دو تہائی اکثریت حاصل کر کے حکومت بنائے گی۔ دوسری جانب مسلم لیگ ن اور پاکستان پیپلز پارٹی دونوں وفاقی سطح پر حکومت میں شامل ہیں، جس کی وجہ سے ان کے درمیان شکوے بھی موجود ہیں۔ مقامی سطح پر دونوں جماعتوں کے امیدوار ایک دوسرے کے خلاف سخت مہم چلا رہے ہیں۔

گلگت بلتستان کے عوامی مسائل انتخابی بحث کا مرکزی نقطہ ہیں۔ یہ خطہ قدرتی خوبصورتی کا خزانہ ہے لیکن بنیادی ڈھانچے، سڑکوں، پینے کے پانی، بجلی، ہسپتالوں اور روزگار کی شدید کمی کا شکار ہے۔ سیاحت، معدنیات اور ہائیڈرو پاور کے بھرپور امکانات کے باوجود نوجوان بے روزگاری سے دوچار ہیں۔ کاظم نقوی جیسے نوجوان پوچھتے ہیں کہ پچھلی حکومتوں نے کیا کیا؟ جواب اکثر وعدوں کی فہرست اور ناکامیوں کی داستان ہوتا ہے۔ انتخابی ریلیوں میں خواتین اور نوجوانوں کی بڑی تعداد شرکت کر رہی ہے، جو اس بات کی علامت ہے کہ نئی نسل تبدیلی چاہتی ہے۔ آٹھ خاتون امیدواروں کی موجودگی بھی ایک مثبت پیش رفت ہے۔

امن و امان کی صورتحال بھی اہم ہے۔ گلگت بلتستان پولیس کے آئی جی اکبر ناصر خان کے مطابق 17 ہزار اہلکار تعینات کیے جائیں گے، جن میں پنجاب، سندھ، رینجرز اور ایف سی شامل ہیں۔ خیبر پختونخوا سے پولیس نہ ملنے کی وجہ علاقائی سلامتی کی صورتحال بتائی گئی۔ وفاقی وزیر امیر مقام نے یقین دلایا ہے کہ کوئی جماعت روکی نہیں گئی اور تمام کو لیول پلیئنگ فیلڈ ملنی چاہیے۔ ان کا کہنا ہے کہ جو بھی جیتے، اسے حکومت بنانے کا حق ملنا چاہیے، چاہے آزاد ارکان کی اکثریت ہو۔

گلگت بلتستان کی سیاست پاکستان کی قومی سیاست سے الگ تھلگ نہیں۔ یہاں کے انتخابات وفاقی اتحادوں، عدالتی فیصلوں، انٹرا پارٹی الیکشنز اور ریاستی اداروں کے کردار کی عکاسی کرتے ہیں۔ 396 امیدواروں میں سے 24 نشستیں ملنے والی ہیں، جن پر مستقبل کا فیصلہ عوام کرے گا۔ ماضی میں مسلم لیگ ن اور پاکستان پیپلز پارٹی نے دو دو نشستیں حاصل کی تھیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آزاد امیدوار کتنا اثر انداز ہوتے ہیں اور پاکستان تحریک انصاف کا غیر رسمی ووٹ بینک کس حد تک کامیاب ہوتا ہے۔

اس انتخابی معرکے میں گلگت بلتستان نہ صرف اپنے مستقبل کا فیصلہ کر رہا ہے بلکہ پاکستان کی جمہوری پختگی کا امتحان بھی دے رہا ہے۔ طویل پیراگراف میں بیان کیے جانے والے یہ تمام پہلو — تاریخی تناظر، الزامات اور تردیدیں، عوامی مسائل، نوجوانوں کی آوازیں، بڑی جماعتوں کی مہم جوئی، پاکستان تحریک انصاف کی جدوجہد، مسلم لیگ ن اور پاکستان پیپلز پارٹی کے درمیان مقابلہ اور شکوے، سیکورٹی انتظامات، الیکشن کمیشن کا کردار، اور مستقبل کی امیدیں — ایک مکمل تصویر پیش کرتے ہیں۔ یہ رپورٹ صرف خبروں کا احاطہ نہیں کرتی بلکہ ایک خطے کی روح، اس کی جدوجہد اور اس کی امیدوں کو سمیٹنے کی کوشش ہے۔ سات جون کا دن فیصلہ کرے گا کہ گلگت بلتستان کی اگلی حکومت کس کی ہوگی اور وہ وعدوں کو حقیقت میں کتنا بدل پائے گی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کا دعویٰ ہے کہ وہ دو تہائی اکثریت حاصل کر کے حکومت بنائے گی۔ دوسری جانب مسلم لیگ ن اور پاکستان پیپلز پارٹی دونوں وفاقی سطح پر حکومت میں شامل ہیں، جس کی وجہ سے ان کے درمیان شکوے بھی موجود ہیں۔ مقامی سطح پر دونوں جماعتوں کے امیدوار ایک دوسرے کے خلاف سخت مہم چلا رہے ہیں۔

گلگت بلتستان کے عوامی مسائل انتخابی بحث کا مرکزی نقطہ ہیں۔ یہ خطہ قدرتی خوبصورتی کا خزانہ ہے لیکن بنیادی ڈھانچے، سڑکوں، پینے کے پانی، بجلی، ہسپتالوں اور روزگار کی شدید کمی کا شکار ہے۔ سیاحت، معدنیات اور ہائیڈرو پاور کے بھرپور امکانات کے باوجود نوجوان بے روزگاری سے دوچار ہیں۔

ماضی میں امریکی عہدیداروں کی جانب سے پاکستان کے میزائل پروگرام سے متعلق تشویش کے برعکس امریکی سیکرٹری دفاع پیٹ ہیگسیتھ نے اسے امریکہ کے لیے براہِ راست خطرہ قرار دینے سے انکار کیا ہے۔ امریکی وزیرِ دفاع سے جب سنیچر کے روز پاکستان کے میزائل پروگرام پر سوال کیا گیا تو انھوں نے سابقہ امریکی انٹیلیجنس خدشات دہرانے کے بجائے اسلام آباد کو براہِ راست امریکہ کے لیے خطرہ قرار دینے سے گریز کیا۔ سنگاپور میں ہونے والے شنگریلا ڈائیلاگ میں، جو ایشیا کا ایک اہم اور بااثر سکیورٹی فورم سمجھا جاتا ہے، امریکی وزیرِ دفاع پیٹ ہیگسیتھ نے امریکہ کی ایشیا پالیسی اور علاقائی سکیورٹی کے وسیع تر تناظر پر گفتگو کی۔ اسی سیشن کے دوران ان سے پاکستان کے ممکنہ بین البراعظمی بیلسٹک میزائل پروگرام اور انڈیا کے طویل فاصلے تک مار کرنے والے میزائل تجربات کے بارے میں سوال کیا گیا تو ہیگسیتھ نے کسی بھی ملک کو امریکہ کے لیے فوری یا براہِ راست خطرہ قرار دینے سے گریز کیا۔

اپنے جواب میں انھوں نے کہا کہ 'میرے خیال میں دونوں ایک دوسرے کے بارے میں سکیورٹی خدشات رکھتے ہیں، جو کسی حد تک قابلِ فہم ہیں اور جن میں سے کچھ کو ہم مختلف انداز میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔'

تاہم امریکی سیکرٹری دفاع نے واشنگٹن کی موجودہ پالیسی کے مطابق کسی بھی فریق کو براہِ راست امریکہ کے لیے خطرہ قرار نہیں دیا اور کہا کہ 'ہماری طرف سے، کم از کم اس وقت، ہم نہ انڈیا اور نہ ہی پاکستان کی طرف انگلی اٹھا رہے ہیں اور نہ ہی انھیں امریکہ کے لیے خطرہ قرار دے رہے ہیں۔'

ہیگسیتھ نے مزید کہا کہ دونوں ممالک نے اپنے اپنے دائرے میں رہتے ہوئے دنیا میں امن کے لیے جو مثبت کردار ادا کیا، اس کے لیے ہم شکرگزار ہیں۔ خیال رہے پاکستان کا میزائل پروگرام اور اس کی طویل فاصلے تک مار کرنے والی صلاحیتیں ایک ایسا موضوع ہے جو حالیہ برسوں میں امریکی سٹریٹجک حلقوں میں بار بار زیرِ بحث رہا ہے۔

پاکستان کے میزائل پروگرام پر خدشات کیوں سامنے آئے تھے؟

رواں برس اپریل میں امریکی سینیٹ کو دی گئی ایک بریفنگ کے دوران نیشنل انٹیلیجنس کی ڈائریکٹر تلسی گبارڈ نے پاکستان کو اُن ممالک میں شامل کیا تھا جو امریکہ کے لیے نمایاں سکیورٹی خطرات پیدا کر سکتے ہیں۔ امریکی سینیٹ کی انٹیلیجنس کمیٹی کے سامنے 'سالانہ تھریٹ اسیسمنٹ' رپورٹ پیش کرتے ہوئے تلسی گبارڈ نے خبردار کیا تھا کہ پاکستان کی تیزی سے ترقی کرتی ہوئی میزائل صلاحیتیں مستقبل میں امریکی سرزمین کو اپنی رینج میں لے سکتی ہیں۔

تلسی گبارڈ کا کہنا تھا کہ 'روس، چین، شمالی کوریا، ایران اور پاکستان ایٹمی اور روایتی پے لوڈز کے ساتھ جدید، روایتی یا نئے قسم کے میزائل نظاموں میں خاصی تحقیق اور ترقی کر رہے ہیں، جو ہمارے ملک (امریکہ) کو (ان میزائلوں کی) رینج میں لے آتا ہے۔' ان کا مزید کہنا تھا کہ پاکستان کی طویل فاصلے تک مار کرنے والی بیلسٹک میزائل ٹیکنالوجی مستقبل میں ایسے بین البراعظمی میزائل سسٹم تک ترقی پا سکتی ہے، جس کی رینج امریکہ تک بھی ہو سکتی ہے۔ تلسی گبارڈ نے یہ بھی کہا تھا کہ 'تھریٹ اسیسمنٹ رپورٹ میں جن ممالک کی نشاندہی کی گئی وہ غالباً امریکہ کے جدید میزائل دفاعی منصوبوں کو سمجھنے کی کوشش کریں گے تاکہ وہ اپنی میزائل ٹیکنالوجی کی ترقی کی سمت کا تعین کر سکیں اور دفاعی حکمتِ عملی اور ڈیٹرنس کے حوالے سے واشنگٹن کے ارادوں کا اندازہ لگانے کے قابل بن سکیں۔'

ستمبر 2024 میں اُس وقت کی امریکی انتظامیہ

استعمال ہونے والی نسبتاً سخت زبان کے برعکس تھا۔ تجزیہ کاروں کا ماننا ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ پاکستان کے ساتھ کشیدگی بڑھانے سے گریز کرتے ہوئے اسلام آباد اور نئی دہلی دونوں کے ساتھ تعلقات برقرار رکھنے کی کوشش کر رہی

میزائل پروگرام پر خدشات سے 'حقیقی دوستی' تک:

پیٹ ہیگسیتھ نے شنگریلا کانفرنس میں پاکستان امریکہ تعلقات پر کیا کہا؟

کے ایک سینیئر حکومتی اہلکار نے باضابطہ طور پر دعویٰ کیا تھا کہ پاکستان نے ایک ایسی 'کارآمد میزائل ٹیکنالوجی' تیار کر لی، جو اسے امریکہ کو بھی نشانہ بنانے کے قابل بنائے گی۔' امریکی تھنک ٹینک 'کارنیگی انڈاومنٹ' کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی ایک تقریب میں خطاب کرتے ہوئے اُس وقت کے امریکی صدر جو بائیڈن کے قومی سلامتی کے نائب مشیر جان فائنر کا کہنا تھا کہ پاکستان نے لانگ رینج میزائل سسٹم اور ایسے دیگر ہتھیار بنا لیے ہیں جو اسے بڑی راکٹ موٹرز کے (ذریعے) تجربات کرنے کی صلاحیت دیتے ہیں۔' ان کا کہنا تھا کہ 'اگر یہ سلسلہ جاری رہتا ہے تو پاکستان کے پاس جنوبی ایشیا سے باہر بھی اپنے اہداف کو نشانہ بنانے کی صلاحیت آ جائے گی، اس میں امریکہ بھی شامل ہے اور اس چیز سے پاکستان کے ارادوں پر حقیقی سوالات اُٹھتے ہیں۔'

امریکی لہجے میں تبدیلی: ہیگسیتھ نے پاکستان امریکہ تعلقات کے متعلق کیا کہا؟

ماضی کے امریکی بیانات کے برعکس سنگاپور میں ہونے والے شنگریلا ڈائیلاگ کے دوران امریکی وزیرِ دفاع پیٹ ہیگسیتھ کے اندازِ گفتگو میں واضح تبدیلی دیکھی گئی۔ یہ اس لیے بھی اہم ہے کیونکہ یہ پہلے کی انٹیلیجنس رپورٹ میں

ہے۔ امریکی سیکریٹری دفاع نے جنوبی ایشیا میں بدلتے ہوئے تعلقات اور سفارت کاری کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے خطے میں امن کے لیے پاکستان، خصوصاً فیلڈ مارشل عاصم منیر اور وزیرِاعظم شہباز شریف کے کردار کو سراہا۔ انھوں نے کہا کہ 'میں نے یہاں انڈیا کا ذکر کیا لیکن میں بہت آسانی سے پاکستان کا بھی ذکر کر سکتا تھا اور فیلڈ مارشل (عاصم منیر) اور وزیرِاعظم (شہباز شریف) امن مذاکرات میں جو کردار ادا کر رہے ہیں۔۔۔ میرے خیال میں یہ غیر متوقع پیشرفت ہے اور ایک حقیقی دوستی پروان چڑھ رہی ہے، جو میرے خیال میں بہت اہم ہے۔' انھوں نے کہا 'آپ نے یہ اس وقت دیکھا جب صدر نے انڈیا اور پاکستان کے درمیان، جو دو ایٹمی صلاحیت رکھنے والے ممالک ہیں، امن کے قیام میں کردار ادا کیا۔'

تاہم ہیگسیتھ کے ریمارکس پاکستان کے بارے میں جہاں نسبتاً نرم تھے، وہیں انھوں نے انڈیا کی تعریف بھی کی، جسے انھوں نے ایک طاقتور اور اپنے دفاعی نظام کو جدید بنانے والا ملک قرار دیا۔

امریکی سیکریٹری دفاع نے انڈیا کے ساتھ تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جنوبی ایشیا میں انڈیا اہم ستون (اینکر) کی حیثیت رکھتا ہے جو خطے میں توازن برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ ان کے مطابق 'ایک مضبوط اور خودمختار انڈیا، جو اپنے قومی مفاد کے تحت فیصلے کرتا ہے، اس مشترکہ ہدف کو آگے بڑھاتا ہے کہ پورے خطے میں طاقت کا توازن قائم رہے۔' انھوں نے کہا کہ انڈیا اپنی فوج کو جدید بنا رہا ہے تاکہ وہ سکیورٹی کی ذمہ داری میں اپنا حصہ ڈال سکے، خاص طور پر بحرِ ہند کے خطے میں۔ ان کے مطابق انڈیا اپنی بھاری صنعتی اور لاجسٹکس صلاحیتوں کو بھی فروغ دے رہا ہے تاکہ اعلیٰ سطحی فوجی آپریشنز کو سپورٹ کیا جا سکے اور امریکی بحریہ

کے ساتھ تعاون کو مضبوط بنایا جا سکے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ امریکہ نے انڈیا کے ساتھ مشترکہ دفاعی پیداوار کے منصوبوں پر اتفاق کیا ہے جن میں جیولن اینٹی ٹینک گائیڈڈ نظام شامل ہیں تاکہ دونوں ممالک کی افواج کی تیاری اور عملی صلاحیت میں اضافہ ہو سکے۔ پیٹ ہیگسیتھ کے مطابق یہ تمام اقدامات صرف طویل المدتی منصوبے نہیں بلکہ فوری اور عملی ضروریات کا حصہ ہیں۔ امریکی سیکریٹری دفاع کے اس بیان کو پاکستان میں خوش آئند قرار دیا جا رہا ہے۔

پاکستان کا میزائل پروگرام کیا ہے؟

پاکستان کا وہ میزائل پروگرام جس کا تذکرہ ستمبر 2024 میں امریکی خارجہ کے اعلامیے میں کیا گیا تھا اس میں میڈیم رینج یا درمیانی فاصلے تک مار کرنے والے بلیسٹک میزائل شاہین تھری (رینج 2750 کلومیٹر) اور ابابیل (رینج 2200 کلومیٹر) شامل ہیں جو ملٹیپل ری انٹری وہیکل یا ایم آر وی کہلاتے ہیں۔ ماہرین کا ماننا ہے کہ پاکستان کے میزائل ہتھیاروں میں یہ سب سے بہترین صلاحیتوں والے میزائل سسٹمز ہیں۔ پاکستان کی فوج کے شعبہ تعلقات عامہ (آئی ایس پی آر) کے مطابق پاکستان نے 2017 میں ابابیل میزائل کا پہلا تجربہ کرنے کے بعد گذشتہ برس 18 اکتوبر 2023 کو بھی زمین سے زمین پر درمیانی فاصلے تک مار کرنے والے ابابیل میزائل کی ایک نئی قسم کا تجربہ کیا تھا جس کے بعد رواں برس 23 مارچ کو پاکستان ڈے پریڈ کے موقع پر پہلی مرتبہ اس کی نمائش کی گئی۔

کینبرا کی نیشنل یونیورسٹی میں سٹریٹیجک اور ڈیفینس سٹڈیز کے لیکچرر ڈاکٹر منصور احمد کے مطابق یہ جنوبی ایشیا میں پہلا ایسا میزائل ہے جو 2200 کلومیٹر کے فاصلے تک متعدد وار ہیڈز یا جوہری ہتھیار لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور مختلف اہداف کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر منصور احمد کے مطابق دفاعی ماہرین کا اندازہ ہے کہ ابابیل میزائل تین یا اس سے زائد نیوکلیئر وار ہیڈز یا جوہری ہتھیار لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ان کے مطابق یہ ایم آر وی میزائل سسٹم ہے جو دشمن کے بیلسٹک میزائل ڈیفنس شیلڈ کو شکست دینے اور بے اثر کرنے کے لیے ڈیزائن کیا گیا۔

ابابیل میزائل میں موجود ہر وار ہیڈ ایک سے زیادہ اہداف کو نشانہ بنا سکتا ہے تاہم ڈاکٹر منصور کے مطابق اہم نکتہ یہ ہے کہ ابابیل ایسے ہائی ویلیو اہداف، جو بیلسٹک میزائل ڈیفنس (بی ایم ڈی) شیلڈ سے محفوظ بنائے گئے ہوں، کے خلاف پہلی یا دوسری سٹرائیک کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔

اسلام آباد میں مقیم دفاعی امور کے ماہر سید محمد علی بتاتے ہیں کہ ایم آر وی میزائل ٹیکنالوجی کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ اگر ہدف کے قریب پہنچنے پر ان کے خلاف مخالف سمت میں میزائل ڈیفنس شیلڈ یا بیلسٹک میزائل سسٹم موجود ہو تو وہ انھیں کنفیوز کر سکتے ہیں۔ اس کی مثال دیتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ 'بالکل ویسے ہی جیسے ایک فاسٹ بارلر گیند کو سوئنگ کرتا ہے جس میں وہ بیٹسمین کے ڈیفنس کو توڑنے کے لیے اپنی رفتار کے ساتھ سوئنگ اور سیم پر بھی انحصار کرتا ہے۔'

دنیا کو ایک ارب بیرل سے زائد تیل کی قلت کا سامنا

پہلے جنگ ختم ہو گی یا عالمی طاقتوں کے سٹریٹجک ذخائر؟

......میگزین رپورٹ......

صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے پاس ایران کے ساتھ کسی معاہدے تک پہنچنے اور اسے آبنائے ہرمز کھولنے پر آمادہ کرنے کے لیے زیادہ وقت نہیں بچا۔ جنگ کے ابتدائی تین ماہ کے دوران عالمی منڈی کو ایک ارب بیرل سے زائد تیل کی قلت کا سامنا کرنا پڑا ہے، تاہم دنیا کے مختلف ممالک اپنے پاس موجود تیل کے سٹریٹجک ذخائر اور کچھ حد تک خوش قسمتی کے باعث، اس بحران سے نسبتاً کم نقصان کے ساتھ نپٹنے میں کامیاب رہے ہیں۔ تاہم اب تیل کی عالمی مارکیٹ کی یہ لچک تیزی سے ختم ہو رہی ہے۔ ماہرین معاشیات اور بین الاقوامی ادارے خبردار کر رہے ہیں کہ اگر آبنائے ہرمز کی ناکہ بندی ختم نہ کی گئی تو جولائی اور اگست میں تیل کی قیمتیں دوبارہ تیزی سے بڑھیں گی، جس سے عالمی معیشت کساد بازاری کے دہانے پر پہنچ سکتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر امریکہ و اسرائیل کی ایران کے خلاف جنگ آج ہی ختم ہو جائے اور خلیج فارس میں پھنسا ہوا تیل، گیس اور دیگر پیٹرولیم مصنوعات عالمی منڈی تک پہنچ بھی جائیں، تب بھی دنیا پہلے جیسی نہیں ہو گی۔ تیل کی سپلائی کی بحالی اور اس عرصے کے دوران ختم ہونے والے سٹریٹجک ذخائر کو دوبارہ بھرنے میں کئی ماہ لگیں گے۔ اس کے علاوہ تیل کے صارفین اور تیل پیدا کرنے والے ممالک دونوں کو ہی ایک نئی حقیقت کے مطابق خود کو ڈھالنے کی قیمت ادا کرنا ہو گی، ایک ایسی نئی حقیقت جہاں توانائی کی آزاد تجارت اب یقینی نہیں رہی ہے۔ اس جنگ کے باعث تیل کی قیمتیں تقریباً 60 ڈالر فی بیرل سے بڑھ کر 100 ڈالر فی بیرل سے تجاوز کر گئیں ہیں، تاہم یہ سطح ابھی بھی اُن مایوس کن پیش گوئیوں سے کم ہے، جو جنگ کی ابتدا میں کی گئی تھیں اور جن میں قیمت 200 ڈالر فی بیرل تک جانے کا خدشہ ظاہر کیا گیا تھا۔ اس صورتحال کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ جنگ سے قبل عالمی منڈی میں تیل کی زائد پیداوار موجود تھی۔ جیسے ہی آبنائے ہرمز بند ہوئی، مغربی ممالک نے جدید تاریخ میں پہلی بار سٹریٹجک تیل ذخائر کی سب سے بڑی فروخت شروع کر دی۔ اس دوران یہ بھی سامنے آیا کہ تیل کی نجی کمپنیوں کے پاس بھی دنیا کے مختلف حصوں میں موجود اپنے ٹینکوں میں خام تیل اور پیٹرولیم مصنوعات کے خاطر خواہ ذخائر موجود ہیں۔ دوسری جانب دنیا کے سب سے بڑے تیل کے خریدار ملک چین نے اپنی درآمدات میں نمایاں کمی کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ تاہم بین الاقوامی توانائی ایجنسی (آئی ای اے) کے سربراہ فاتح بیرول نے خبردار کیا ہے کہ یہ تمام اقدامات محض عارضی حل ہیں۔

'تیل کے ذخائر ختم ہوتے جا رہے ہیں'

بین الاقوامی توانائی ایجنسی کے سربراہ فاتح بیرول نے کہا کہ 'جب آپ کے پاس آمدنی نہ ہو لیکن کچھ بچت موجود ہو، تو آپ کچھ عرصے تک تو اس بچت میں سے خرچ کر سکتے ہیں، مگر آخر کار یہ بچت ختم ہو جاتی ہے۔ اس وقت دنیا کو بھی تیل کے معاملے میں کم و بیش اسی صورتحال کا سامنا ہے۔' انھوں نے مزید کہا کہ 'مسئلہ یہ ہے کہ جون کے آخر اور جولائی کے آغاز میں تعطیلات کا سیزن شروع ہو جاتا ہے، اور یہ ایسا وقت ہوتا ہے جب عام طور پر تیل کی کھپت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسے میں جبکہ ذخائر تیزی سے کم ہو رہے ہیں اور خلیج فارس سے نیا تیل عالمی منڈی میں نہیں آ رہا، تو اس بات کا خطرہ موجود ہے کہ ہم جولائی اور اگست میں ایک سنگین بحران میں داخل ہو سکتے ہیں۔'

بین الاقوامی توانائی ایجنسی، جو کہ امیر ممالک کی جانب سے خاص طور پر ایسے ہی ایمرجنسی حالات سے نمٹنے، یعنی توانائی بحرانوں کی پیش گوئی اور ان کی روک تھام کے لیے قائم کی گئی ہے، کے سربراہ نے مزید کہا کہ درپیش مسئلے کا واحد حل آبنائے ہرمز کو کھولنا ہے۔ یہ بحران اس قدر سنگین شکل اختیار کر چکا ہے کہ فاتح بیرول نے جمعہ کے روز عالمی اقتصادی استحکام کے ذمہ دار تین دیگر بین الاقوامی اداروں کے سربراہان کے ساتھ مل کر ایک مشترکہ ہنگامی بیان جاری کیا۔ بین الاقوامی توانائی ایجنسی، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف)، عالمی بینک اور عالمی تجارتی تنظیم (ڈبلیو ٹی او) کے سربراہان کے مشترکہ بیان میں کہا گیا کہ 'آبنائے ہرمز کے محاصرے کی وجہ سے تیل کی فراہمی غیر معمولی رفتار سے کم ہو رہی ہے۔ اگر سپلائی کی روانی بحال نہ ہوئی تو شمالی نصف کرہ میں گرمیوں کے دوران طلب میں اضافے سے پہلے ہی ذخائر تیزی سے ختم ہونے لگیں گے، جو توانائی کے تحفظ، مارکیٹ کے استحکام اور مجموعی طور پر عالمی معیشت کے لیے خطرہ بن جائے گا۔'

ماہرینِ معاشیات اور بین الاقوامی ادارے خبردار کر رہے ہیں کہ اگر آبنائے ہرمز کی ناکہ بندی ختم نہ کی گئی تو جولائی اور اگست میں تیل کی قیمتیں دوبارہ تیزی سے بڑھیں گی، جس سے عالمی معیشت کساد بازاری کے دہانے پر پہنچ سکتی ہے

تیل کی قیمت 200 ڈالر تک کیوں نہیں پہنچی؟

ہارورڈ یونیورسٹی سے منسلک میگن اوسلیوان ماضی میں جارج ڈبلیو بش انتظامیہ میں مشیر رہ چکے ہیں جبکہ کولمبیا یونیورسٹی کے جیسن بورڈوف باراک اوباما کی انتظامیہ میں مشیر کے فرائض سرانجام دے چکے ہیں۔ ان دونوں کا موقف ہے کہ وائٹ ہاؤس کی جانب سے عالمی تیل منڈی میں خلل ڈالنے سے متعلق جن مختلف منظرناموں پر غور کیا گیا تھا، ان سب میں آبنائے ہرمز کی بندش ایک ایسا عنصر تھا جو ہمیشہ تیل کی قیمتوں کو 200 ڈالر فی بیرل تک لے جاتا اور دنیا کے متعدد ممالک میں وسیع پیمانے پر معاشی کساد بازاری کا سبب بنتا۔ عملی طور پر ابھی تک قیمتیں اس سطح تک نہیں پہنچیں، تاہم وہ لکھتے ہیں کہ 'یہ مکمل طور پر ممکن ہے کہ موجودہ صورتحال محض ایک عارضی وقفہ ہو۔ آئندہ چند ہفتوں میں تیل کے ذخائر ختم ہو جائیں گے، اور اگر اس وقت تک لڑائی بند نہ ہوئی تو قیمتوں میں اضافہ یقینی ہے۔' دونوں سابق امریکی مشیروں کا مزید کہنا تھا کہ 'سٹریٹجک تیل کے ذخائر کی فروخت یا کسی بھی نوعیت کے ہنگامی اقدامات دنیا کو درپیش یومیہ تقریباً ڈیڑھ کروڑ بیرل تیل کی کمی کا ازالہ کبھی نہیں کر سکتے۔'

دوسری جانب آکسفورڈ انسٹیٹیوٹ برائے توانائی کے پال ہورسنل کا کہنا ہے کہ حکومتی مداخلت مستقبل میں مزید مسائل کو جنم دے سکتی ہے۔ ان کے مطابق، مارکیٹ میں مداخلت، چاہے وہ تیل کی فراہمی کے ذریعے ہو، مالیاتی پالیسیوں کے ذریعے یا حوصلہ افزا بیانات کے ذریعے، غیر حقیقی توقعات پیدا کرتی ہے اور طلب و رسد کے درمیان توازن قائم کرنے کے قدرتی منڈی کے نظام میں خلل ڈالتی ہے۔ انھوں نے خبردار کرتے ہوئے کہا کہ 'اگر اس مرحلے پر طلب کو محدود کرنے کے لیے مارکیٹ کے قدرتی عوامل کو مکمل طور پر فعال نہ ہونے دیا گیا تو جب مارکیٹ ناگزیر طور پر اصلاح کی طرف جائے گی، تو یہ عمل کہیں زیادہ تکلیف دہ ثابت ہو گا۔'

تیل کے سٹریٹجک ذخائر کب ختم ہوں گے؟

آکسفورڈ انسٹیٹیوٹ برائے توانائی سے منسلک پال ہورسنل کے مطابق موجودہ تیل کا جھٹکا ماضی کے کسی بھی ایسے بحران سے کہیں بڑا ہے۔ ادارے کے اندازوں کے مطابق 1978-79 کے بحران کے دوران دنیا کو 64 کروڑ بیرل تیل کی کمی کا سامنا کرنا پڑا تھا جبکہ پہلی خلیجی جنگ کے دوران یہ کمی 42 کروڑ بیرل تھی۔ تاہم موجودہ صورتحال میں یہ خسارہ 1.1 ارب بیرل سے تجاوز کر چکا ہے۔

پال ہورسنل کہتے ہیں کہ 'میں نے کچھ لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ یہ کوئی حقیقی جھٹکا نہیں کیونکہ مارکیٹ نے خود کو اس کے مطابق ڈھال لیا ہے۔ ہاں، مارکیٹ نے بظاہر استحکام دکھایا ہے، لیکن یہ استحکام ذخائر میں نمایاں کمی کی قیمت پر حاصل ہوا ہے۔ یہ حقیقت کہ قلیل مدت میں ذخائر اس کمی کو پورا کرنے کے لیے کافی تھے، اس بات کا مطلب نہیں کہ ہم کسی حقیقی بحران سے دوچار نہیں ہوئے۔'

ماہرین کے مطابق جب تیل کے ذخائر خطرناک حد تک کم ہو جائیں اور آبنائے ہرمز بدستور بند رہے، تو طلب اور رسد میں توازن قائم کرنے کا واحد طریقہ قیمتوں میں نمایاں اضافہ ہی ہو گا۔

پال ہورسنل کے بقول 'میرا اندازہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہمیں تین ماہ درکار ہوں گے کہ ہم اس نازک مرحلے تک پہنچ جائیں، اور موجودہ رجحان کو دیکھتے ہوئے ممکن ہے یہ مدت اس سے بھی کم ہو جائے۔'

ادھر توانائی کی عالمی منڈی پر نظر رکھنے والے ادارے آرگس میڈیا کے چیف اکنامسٹ ڈیوڈ فائفی نے بھی اس تجزیے سے اتفاق کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ 'اگر جون تک آبنائے ہرمز سے جزوی آمدورفت بحال بھی ہو جائے، تب بھی اتنی بڑی فراہمی میں رکاوٹ کے بعد مارکیٹ میں توازن بحال کرنے کے لیے بلند قیمتوں کو برقرار رکھنا ضروری ہو گا۔' انھوں نے مزید کہا کہ 'جیسے ہی تیل کے ذخائر اس سطح کے قریب پہنچتے ہیں جہاں سے تیل کی مزید فراہمی ممکن نہیں رہتی، تو قیمتوں میں اضافہ ناگزیر ہو جاتا ہے تاکہ کھپت کو کم کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ پرانی کہاوت آج بھی درست ثابت ہوتی ہے کہ بلند قیمتوں کا بہترین علاج خود بلند قیمتیں ہی ہوتی ہیں۔'

'دنیا کبھی بھی پہلے جیسی نہیں ہو گی'

ماہرین نے خبردار کیا ہے کہ جنگ سے قبل عالمی توانائی منڈی کا جو نظام رائج تھا، وہ اب مکمل طور پر بکھر چکا ہے اور اس کی سابقہ شکل میں واپسی ممکن نہیں رہی۔ اُن کے مطابق، حتیٰ کہ تنازعات کے خاتمے کے بعد بھی توانائی پیدا کرنے والے اور استعمال کرنے والے ممالک ہمیشہ نئے تعطل کے خطرات کو اپنی پالیسی سازی، منصوبہ بندی اور اخراجات میں شامل رکھیں گے، جن میں اضافی ذخائر کی تیاری، متبادل پائپ لائنز کی تعمیر، مقامی پیداوار میں اضافہ اور قابل تجدید توانائی کی جانب پیش رفت شامل ہوں گے۔ کیمبرج یونیورسٹی کی توانائی ماہر ہیلن تھامسن نے بلومبرگ پوڈکاسٹ میں کہا کہ 'سعودی عرب اب کبھی بھی آبنائے ہرمز کے ذریعے برآمدات کی صلاحیت کو یقینی نہیں سمجھے گا۔ اسی طرح چین بھی آبنائے ہرمز کے راستے درآمدات کو معمول کا اور یقینی عمل نہیں سمجھے گا۔'

سابق وائٹ ہاؤس مشیر میگن اوسلیوان اور جیسن بورڈوف کے مطابق اب جو نیا عالمی منظرنامہ تشکیل پا رہا ہے، اس میں توانائی کے نظام میں آزاد منڈیوں کا کردار نسبتاً کم جبکہ حکومتوں کا کردار زیادہ اہم ہوتا جا رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ 'توانائی کا تحفظ اب ممالک کی معاشی اور خارجہ پالیسی کا مرکزی نکتہ بن جائے گا۔' ان کے بقول 'اگرچہ منڈیاں اپنا کردار ادا کرتی رہیں گی، لیکن قومی اور معاشی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے حکومتیں زیادہ کثرت اور فیصلہ کن انداز میں مداخلت کریں گی۔' انھوں نے خبردار کیا کہ 'خطرہ یہ ہے کہ سلامتی میں اضافے کی یہ کوشش توانائی کے نظام کو مہنگا اور کم مؤثر بنا دے گی۔ اس کے ساتھ ہی عالمی معیشت کے حریف بلاکس میں تقسیم ہونے کا عمل بھی تیز ہو سکتا ہے، جہاں توانائی کی تجارت قیمت اور کارکردگی کے بجائے سیاسی اتحادوں اور تزویراتی مقابلے کی بنیاد پر ہو گی۔' (باقی صفحہ 15 پر)

ایمان کامران

شادیوں کا سیزن اور خواتین کا بناؤ سنگھار: کڑھائی دار فیشن کی بہار

فیچر رپورٹ: ایمان کامران

شادیوں کا سیزن شروع ہوتے ہی خواتین کی تیاریوں میں ایک خاص چمک اور رنگینی دیکھنے کو ملتی ہے۔ نئے سنورے ملبوسات، روایتی زیورات اور جدید میک اَپ ٹرینڈز کے امتزاج سے نہ صرف خواتین اپنی شخصیت نکھارتی ہیں بلکہ شادیوں کی تقریبات کا حسن بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔

کڑھائی دار فیشن کی واپسی

گزشتہ برسوں میں جہاں مغربی طرز کے ملبوسات کا رجحان بڑھا تھا، وہیں اب دوبارہ کڑھائی دار فیشن نے دھوم مچا دی ہے۔ ہاتھ کی کڑھائی، زری کا کام، موتیوں اور نگینوں کی سج والے لباس شادی بیاہ کی تقریبات میں سب سے زیادہ پسند کیے جا رہے ہیں۔ ”روایتی کڑھائی خواتین کو ہمیشہ ایک خاص وقار اور خوبصورتی دیتی ہے،“ ایک ڈریس ڈیزائنر کا کہنا ہے۔

رنگوں کا جادو

اس سیزن میں شوخ رنگوں کے ساتھ ہلکے اور پیسٹل شیڈز کا امتزاج بھی نظر آ رہا ہے۔ دلہنیں عموماً گہرے رنگوں جیسے سرخ، عنابی اور سنہری کو ترجیح دیتی ہیں، جبکہ برائیڈل پارٹی اور قریبی رشتہ دار خواتین ہلکے گلابی، فیروزی اور آسمانی رنگ کے ملبوسات زیب تن کر رہی ہیں۔

میک اَپ اور جیولری کے جدید انداز

جہاں لباس میں کڑھائی نمایاں ہے، وہیں میک اَپ کے انداز بھی بدل رہے ہیں۔ ہلکا اور قدرتی لُک زیادہ پسند کیا جا رہا ہے تاکہ لباس اور جیولری کو نمایاں کیا جا سکے۔ زیورات میں پولکی سیٹ، کندن اور آکسیڈائزڈ جیولری ٹرینڈ میں ہیں جو کڑھائی دار ملبوسات کے ساتھ خوب جچتے ہیں۔

روایتی اور جدید کا امتزاج

نئی نسل کی خواتین اپنی تیاری میں روایتی انداز کو جدید فیشن کے ساتھ جوڑ رہی ہیں۔ لمبے فراک، لہنگے اور شارٹ قمیض کے ساتھ پتلون یا شلوار کے امتزاج کو بہت مقبولیت مل رہی ہے۔ اس سے نہ صرف ایک نیا اسٹائل ابھر رہا ہے بلکہ پرانے اور نئے ذوق کا حسین امتزاج بھی سامنے آ رہا ہے۔

ایمان کامران

شادیوں کا سیزن اور خواتین کا بناؤ سنگھار: کڑھائی دار فیشن کی بہار

فیچر رپورٹ: ایمان کامران

شادیوں کا سیزن شروع ہوتے ہی خواتین کی تیاریوں میں ایک خاص چمک اور رنگینی دیکھنے کو ملتی ہے۔ بنے سنورے ملبوسات، روایتی زیورات اور جدید میک اَپ ٹرینڈز کے امتزاج سے نہ صرف خواتین اپنی شخصیت نکھارتی ہیں بلکہ شادیوں کی تقریبات کا حسن بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔

کڑھائی دار فیشن کی واپسی

گزشتہ برسوں میں جہاں مغربی طرز کے ملبوسات کا رجحان بڑھا تھا، وہیں اب دوبارہ کڑھائی دار فیشن نے دھوم مچا دی ہے۔ ہاتھ کی کڑھائی، زری کا کام، موتیوں اور نگینوں کی سج والے لباس شادی بیاہ کی تقریبات میں سب سے زیادہ پسند کیے جا رہے ہیں۔ ”روایتی کڑھائی خواتین کو ہمیشہ ایک خاص وقار اور خوبصورتی دیتی ہے،“ ایک ڈریس ڈیزائنر کا کہنا ہے۔

رنگوں کا جادو

اس سیزن میں شوخ رنگوں کے ساتھ ہلکے اور پیسٹل شیڈز کا امتزاج بھی نظر آ رہا ہے۔ دلہنیں عموماً گہرے رنگوں جیسے سرخ، عنابی اور سنہری کو ترجیح دیتی ہیں، جبکہ برائیڈل پارٹی اور قریبی رشتہ دار خواتین ہلکے گلابی، فیروزی اور آسمانی رنگ کے ملبوسات زیب تن کر رہی ہیں۔

میک اَپ اور جیولری کے جدید انداز

جہاں لباس میں کڑھائی نمایاں ہے، وہیں میک اَپ کے انداز بھی بدل رہے ہیں۔ ہلکا اور قدرتی لُک زیادہ پسند کیا جا رہا ہے تاکہ لباس اور جیولری کو نمایاں کیا جا سکے۔ زیورات میں پولکی سیٹ، کندن اور آکسڈائزڈ جیولری ٹرینڈ میں ہیں جو کڑھائی دار ملبوسات کے ساتھ خوب جچتے ہیں۔

روایتی اور جدید کا امتزاج

نئی نسل کی خواتین اپنی تیاری میں روایتی انداز کو جدید فیشن کے ساتھ جوڑ رہی ہیں۔ لمبے فراک، لہنگے اور شارٹ قمیض کے ساتھ پتلون یا شلوار کے امتزاج کو بہت مقبولیت مل رہی ہے۔ اس سے نہ صرف ایک نیا اسٹائل ابھر رہا ہے بلکہ پرانے اور نئے ذوق کا حسین امتزاج بھی سامنے آ رہا ہے۔

کائنات ہم میں ہے

تحریر: سلمان حبیب

قسط نمبر۔(16)

سو سال پرانی کہانی، جس میں پراسرار عمارت میں احمد صلاغی اپنی نوجوان پوتی اور خوبصورت شریر پوتے کے ساتھ آیا اور اس نے عمارت کے تمام دروازے بند کرائے۔ ایک ٹریفک حادثے میں اس کا بیٹا اور بہو ہلاک ہوگئے، پوتی اور پوتے کی ذمے داری احمد صلاغی پر آپڑی تھی۔

(گذشتہ قسط کا آخری پیراگراف)

ایک لمحے کے لئے زریچہ کے چہرے پر نفرت کے نقوش پھیلے اور وہ اس شخص کو اپنی یادداشت کے خانوں سے آنکھوں کے پردے پر منتقل کرنے لگی جسے اس نے وہیں لیبارٹری میں دیکھا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس مکروہ شکل کی چڑیل نما عورت کو بھی جس نے انجکشن دے کر زریچہ کو بے ہوش کردیا تھا۔لیکن اب اس نے اپنے ذہن کو ٹٹولا اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرنے لگی کہ اب اس کا ذہن مکمل طور پر جاگ رہا ہے اور اس کے اپنے قبضے میں ہے،اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے ہاتھوں کو جنبش دی جو بستر کے کناروں پر مضبوط چمڑے کے تسموں سے بندھے ہوئے تھے لیکن اس وقت وہ اپنی اس گرفت کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی،صحیح معنوں میں وہ اپنی قوتوں کا تجزیہ بھی کررہی تھی۔جو خواب آور انجکشن اسے دیا گیا تھا اس کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ انجکشن کے زیر اثر اس نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے اور جب چمڑے کے مضبوط تسمے اس کے ہاتھوں سے جدا نہ ہوئے تو اس کی آنکھوں میں ایک نامعلوم سا خوف لہرانے لگا اور اس کے پورے بدن میں لرزش سی دوڑ گئی۔

اس نے ایک بار پھر اپنے ذہن پر توجہ دی اور اس بارے میں سوچنے لگی تو اس کے ذہن نے اسے جواب دیا کہ انجکشن کا اثر ابھی ختم نہیں ہوا ہے،زریچہ کا ذہن تو جاگ رہا تھا لیکن جسمانی قوت اس وقت بھی مردہ تھی اور وہ اپنی ایک انگلی کو بھی حرکت نہیں دے سکتی تھی اس کے ہونٹوں سے غصے میں کچھ بڑبڑاہٹیں سی نکل گئیں جن میں کچھ الفاظ نمایاں تھے وہ کہہ رہی تھی۔

(آگے پڑھیے)

"دادا ابو، ہم ابھی عمر میں چھوٹے ہیں اتنے تجربات ہم پر مسلط نہ کریں کہ ہمارا کوئی تجربہ ناکام ہوجائے۔"

پھر اس نے سوچا کہ اگر میں اپنی ذہنی قوت سے بستر سے اٹھ بھی جاؤں تو بھی شاید یہاں سے فرار ممکن نہ ہوسکے، ان لوگوں نے یقینی طور پر صرف خواب آور دوا ہی استعمال نہیں کی ہے بلکہ کوئی ایسی دوا بھی استعمال کی ہے جس کے زیر اثر میرا جسم خوفناک حد تک سن ہوچکا ہے۔

میں شاید ابھی کافی مشکلات میں مبتلا رہوں گی لیکن مجھے سوچوں کے عمل سے دستبردار نہیں ہونا چاہئے، ہر قیمت پر مجھے ان لوگوں کی گرفت سے فرار ہونا ہے، یہ الگ بات ہے کہ میں یہاں سے فرار کی کوشش کروں گی تو یہ لوگ دوسرا انجکشن گھونپ دیں گے۔

زریچہ کا ذہن بہت تیزی سے اس صورت حال کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس سے نکلنے کے لئے کوئی ترکیب ڈھونڈ رہا تھا، بہت دیر تک سوچتے رہنے کے بعد اس کے ذہن میں روشنی کی ایک کرن چمکی۔اسے اپنے چاروں دوستوں کا خیال آیا تھا جو اس کے مددگار رہے تھے اور انہوں نے کچھ اس طرح اپنے آپ کو اس کی ذات میں ضم کردیا تھا کہ حیرت ہی ہوتی تھی اور خاص طور سے وہ لڑکا جوان میں سب سے نمایاں حیثیت کا حامل تھا اور جس نے اپنا نام شیری بتایا تھا تو زریچہ کا ایک طرح سے دیوانہ ہی ہوگیا تھا۔

اگر ایک بار پھر انہیں ذہنی طور پر اپنی مشکل سے آگاہ کردیا جائے تو شاید وہ اس کی مدد کے لئے تیار ہوجائیں۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں تلاش کیسے کیا جائے؟"

زریچہ نے ایک بار پھر کوششیں شروع کردیں اور اس کے ذہن سے نکلنے والی لہریں اپنے دوستوں کو تلاش کرنے لگیں، لیکن ایسا ممکن نہیں ہوسکا۔تب اس نے اپنی یادداشت کے خانے سے ایک اور ترکیب نکالی۔اس عمارت میں اگر ایسا کوئی شخص مل جائے جس کے دماغ کو اپنے قابو میں کرکے وہ اس کے ذریعے سفر کرے اور اپنے چاروں مددگاروں کو طلب کرے ایسا ممکن ہوسکتا تھا لیکن وہ شیشے کے ایک تابوت میں بند تھی۔اگر دماغ کی لہریں اس تابوت سے باہر نکل کر کچھ کرلیں تب تو کام ممکن ہوسکتا تھا، اس نے کوشش شروع کردی اور بہت سی آوارہ روحیں عمارت کے مختلف گوشوں میں کسی کو تلاش کرنے لگیں۔کسی ایسے ذی روح کو جو اپنے اندر تحریک رکھتا ہو اور ایک ایسا دماغ سا کہ اپنے دماغ سے نکلی ہوئی لہروں سے ٹکرایا یقیناً یہ کوئی متحرک وجود تھا۔اس نے آہستہ آہستہ اس وجود کی تصویر اپنے ذہن میں حاصل کی تو اسے یوں لگا جیسے وہ کوئی انسان نہ ہو، رفتہ رفتہ اس کی صورت تشکیل پاتی جارہی تھی۔وہ ایک کتا تھا ایک قدآور کتا، جو کھلا ہوا تھا اور یقیناً یہاں حفاظت کے لئے رکھا گیا تھا۔زریچہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"چلو ایک دوست ملنا چاہیے تھا انسان ہو یا جانور..آج ایک جانور کے ذہن پر کنٹرول کرکے ذرا سی صورت حال کا جائزہ لیا جائے۔اور اس نے کتے کے ذہن کو اپنی گرفت میں لینا شروع کردیا جو اپنی سوچوں میں مصروف تھا اس کے ذہن پر اس وقت مایوسی کا غلبہ تھا۔

"میں ایک کاہل کتا ہوں، میں کوئی کام ڈھنگ سے کرہی نہیں سکتا۔"

وہ اندر ہی اندر خود سے لڑتے ہوئے گویا زندگی کے سامنے ہتھیار ڈالتا جارہا تھا پھر اس نے سوچا "اور میں ان دنوں میں تو کوئی کام کرہی نہیں سکتا جب راتیں بے حد سرد اور دن خوب گرم ہوجائیں۔" کتے نے مایوسی کے انداز میں اپنی تھوتھنی فرش پر ڈالی اور کاہلی سے لیٹ گیا۔

لیکن اچانک ہی اس کے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا اور یہ جھٹکا زریچہ نے دیا تھا، دوسرے لمحے اس کی سوچوں میں تبدیلی شروع ہوگئی۔وہ اپنی جگہ سے ایک دم ہی اچھلا اور اب وہ خود کو سمجھ رہا تھا۔

"نہیں نہیں میرا سوچنا غلط ہے میں کیا نہیں کرسکتا میں تو سب کچھ کرسکتا ہوں خواہ راتیں سرد ہوں یا گرم..."

زریچہ اب اس کے ذہن پر مجموعی قابو پاتی جارہی تھی، اس نے کتے کو جسے ٹام کہہ کر پکارا جاتا تھا حکم دیا کہ وہ باہر نکل آئے۔

چنانچہ کتا تیز رفتاری سے آگے بڑھا اور اپنی اس آرام گاہ سے جو خاص طور سے اس کے لئے بنادی گئی تھی اور جہاں وہ رات کو لیٹ کر یا ضرورت پڑنے پر باہر نکل کر چوکیداری کرتا تھا۔وہاں سے باہر نکل آیا تھا۔وہ کچھ کرنے پر کمربستہ ہوگیا تھا اور اپنے لئے کچھ نہ کچھ کرنے پر آمادہ تھا۔

زریچہ کا مسلسل اس سے ذہنی رابطہ تھا اور اب اس نے ٹام سے کافی امیدیں وابستہ کرلی تھیں۔ چنانچہ وہ باہر نکل آیا اور چند ہی لمحوں کے بعد شہر کی جانب جانے والی سڑک کے کنارے کنارے پوری رفتار سے دوڑنے لگا۔زریچہ مسرور انداز میں اس کے ذہن کو کنٹرول کررہی تھی اور اسے علم تھا کہ ٹام نامی کتا اپنا کام بخوبی سرانجام دے رہا ہے، ٹام کو اچانک ہی احساس ہوا کہ ایک لمبا سفر طے کرنا ہے چنانچہ اس نے ادھر ادھر دیکھا اس کے ساتھ ہی پوری رفتار سے دوڑتا ہوا آگے جانے والی ایک فورڈ کی چھت پر چڑھ گیا۔فورڈ میں مرد ڈرائیور کے برابر بیٹھی ہوئی ایک لڑکی اپنے ہونٹوں پر لپ اسٹک لگارہی تھی، وہ بڑے سلیقے سے ہونٹوں پر لپ اسٹک جمارہی تھی کہ دھپ کی آواز سنتے ہی اس کا ہاتھ ہل گیا اور لپ اسٹک نے اس کے رخسار پر ایک گہری سرخ لکیر ڈال دی۔لڑکی نے غصے اور حیرت سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے مرد کی طرف دکھا مگر مرد خود بھی حیران ہوا تھا کہ چلتی ہوئی گاڑی کی چھت پر کیا معاملہ ہوا ہے، اس نے اچانک ہی بریک لگائے ٹام جیسے اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھا، وہ پاس سے گزرتی ہوئی ایک دوسری کار کی چھت پر کود گیا۔

فورڈ میں مرد ڈرائیور کے برابر بیٹھی ہوئی ایک لڑکی اپنے ہونٹوں کو لپ اسٹک جمارہی تھی کہ دھپ کی آواز سنتے ہی اس کا ہاتھ ہل گیا اور لپ اسٹک ن اس کے رخسار پر ایک گہری سرخ لکیر ڈال دی۔لڑکی نے غصے اور حیرت سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے مرد کی طرف دیکھا۔مگر مرد خود بھی حیران ہوا تھا کہ چلتی ہوئی گاڑی کی چھت پر کیا معاملہ ہوا ہے اس نے اچانک ہی بریک لگائے، ٹام جیسے اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھا۔وہ پاس سے گزرتی ہوئی ایک دوسری کار کی چھت پر کود گیا۔

اس دوسری کار میں ایک بوڑھا جوڑا سفر کررہا تھا، بوڑھا ڈرائیور اس لمحے اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی خاتون کے منہ میں دبی ہوئی سگریٹ کو لائٹر دکھا رہا تھا، لیکن فورڈ کی چھت سے پرواز کرکے اس کی گاڑی پر لینڈ کرنے والا کتا اسے اس قدر بدحواس کردیا کہ لائٹر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔

اس کی بدحواسی نے خاتون کے ہونٹوں میں دبی ہوئی سگریٹ بھی اس کی ٹانگوں کے درمیان سیٹ پر گرادی جس نے دونوں کو اور زیادہ بدحواس کردیا۔بوڑھے نے ٹریفک کے کسی اصول کی پرواہ کئے بغیر گاڑی کو سڑک کے کنارے پر موڑ لیا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ نہ صرف ان کی توقعات کے خلاف تھا بلکہ اس شخص کی توقعات کے بھی خلاف تھا جو پوری رفتار سے گنگناتا ہوا اپنی اسپورٹس کار میں ان کے پیچھے چلا آرہا تھا۔

دونوں کاریں بری طرح برباد ہوگئی تھیں اور ان شدید پریشان کن حالات کے باوجود زریچہ کو جو انوکھے تجربات ہورہے تھے وہ اس کی دلچسپی بڑھارہے تھے۔بے شک وہ دماغ کو استعمال کررہی تھی اور اس دماغ نے اس وقت ٹام کی آنکھوں کو اس کی آنکھیں بنادیا تھا، گویا جو کوئی ہدایت وہ ٹام کو دے رہی تھی وہ اس کی دماغی لہروں کے ذریعے اس کی آنکھوں تک پہنچ رہی تھیں اور یہ سارا کا سارا منظر دماغی لہروں کے ساتھ ساتھ اس کی بینائی میں سے گزر رہا تھا۔اس نے ان دونوں کو لڑتے ہوئے دیکھا، بوڑھا شخص معذرت آمیز لہجے میں اسپورٹس کار کے ڈرائیور سے کہہ رہا تھا۔

"آپ یقین کریں جناب، اس افسوس ناک حادثے کی وجہ وہ کتا تھا۔"

"کونسا کتا؟" اسپورٹس کار کے ڈرائیور نے غراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"خدا جانے اب وہ کہاں چلا گیا؟"

"میں اس کی تائید کرتی ہوں وہ کتا ہی تھا۔" پاس کھڑی بوڑھی عورت نے کہا۔

"بکواس کررہے ہو تم لوگ، میں نے کوئی کتا نہیں دیکھا، مجھے بتائیں کہاں ہے وہ کتا؟"

"اب میں آپ کو کیا بتاؤں؟"

اس سوال کا جواب نہ بوڑھے کے پاس تھا اور نہ اس کے پاس کھڑی ہوئی بوڑھی عورت کے پاس اور نہ اسپورٹس کار کے ڈرائیور کے پاس۔البتہ زریچہ دیکھ رہی تھی کہ ٹام کی غیر موجودگی..اس کی موجودگی میں کس شکل میں تبدیل ہوئی ہے۔اس بات کا علم اس ٹرک ڈرائیور کو بھی نہیں تھا جس کے ٹرک کے پچھلے حصے میں ٹام آرام سے لیٹا ہوا تھا۔

پھر ٹرک مڑا تو ٹام سنبھل کر اٹھ گیا اور بڑی مہارت سے اس نے اس طرح زمین پر چھلانگ لگائی جیسے اسے ٹرک کے اپنی مخالف سمت جانے کا احساس ہوگیا ہو۔زریچہ اس کی آنکھوں کے ذریعے پورے ماحول کا جائزہ لے رہی تھی اور اسے ہدایات دے رہی تھی، اس نے ٹام کے لئے ایک راستہ منتخب کرتے ہوئے اسے ہدایت کی اور اسی وقت اس کی نگاہوں نے ایک کالے رنگ کی مرسڈیز کو دیکھا، اسے دیکھ کر زریچہ نے اپنی ذہنی لہروں کو فوراً دو حصوں میں تقسیم کیا اور جب اس کے ذہن کی لہروں کا ایک حصہ ٹام کی طرف اور دوسرا مرسڈیز کی جانب مکمل طور پر متوجہ ہوگیا تو اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"آفریں ہے تجھ پر میرے ذہین دادا کہ تو نے انسان ہونے کے باوجود مجھے انتہائی غیر انسانی صفات بخش دی ہیں اور واقعی تیری سائنس کا مقابلہ شاید سو سال بعد کی سائنس بھی نہ کرسکے، گو بے شک میں اس وقت کافی مشکل کا شکار ہوگئی ہوں لیکن پھر بھی جو وقت گزر رہا ہے اگر اسے اپنے قابو میں نہ کرپاؤں اور موت کا شکار ہوجاؤں تو بچی بات ہے کہ کم از کم مجھے اس کی بالکل پرواہ نہیں ہے۔"

اس نے اپنے ذہن کی منتقل ہوجانے والی لہروں کو صرف دو حصوں میں تقسیم کیا تھا لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ اگر اس کے اور بھی کئی حصے کرنا پڑیں تو شاید اس میں بھی اسے ناکامی نہ ہو۔

کالے رنگ کی مرسڈیز اس وقت شہر سے باہر جانے والی جنوبی سڑک پر جارہی تھی۔اسٹیئرنگ وہیل پر دانیال بیٹھا ہوا تھا، بیری اس کے برابر بیٹھی ہوئی تھی اور پچھلی سیٹوں پر ڈاکٹر رچرڈ لیموس ریحان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔جنوبی سڑک پر اگرچہ اس وقت زیادہ رش نہیں تھا لیکن سڑک کے دونوں کناروں پر لگے ہوئے ہرے بھرے درخت اور اطراف میں دور تک پھیلا ہوا سبزہ اس بات کی نشاندہی کررہا تھا کہ سڑک بہت اہمیت کی حامل اور نہایت خوبصورت ہے۔(جاری ہے)

شام کے سائے تلے

تحریر: بسمیٰ راحت

(قسط نمبر 101)

(گذشتہ قسط کا آخری پیراگراف)

ثاقب نے جو دھمکیاں دی تھیں وہ بے حد خوفناک تھیں، اگر وہ اس کوٹھی تک پہنچ گیا اور اس نے یہاں اپنی بری فطرت کا مظاہرہ کیا تو پھر ردا کے لئے خودکشی کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں رہے گا۔ وہ ردا کو بلیک میل کرنا چاہتا تھا رقم کی طلبی اس بات کا مظہر تھی۔ ردا کے پاس کچھ پیسے جمع ہو گئے تھے لیکن ثاقب کا پیٹ کس طرح بھرا جا سکتا ہے۔ کوئی اور بندوبست ہونا ضروری ہے، چنانچہ اس نے آخری فیصلہ کیا کہ خیردین سے اس سلسلے میں مشورہ کر لیا جائے، ممکن ہے کہ وہ کسی طرح اس کا مددگار ثابت ہو سکے۔ ردا نے اس سلسلے میں بہت غور کیا تھا، بالآخر وہ خیردین کی تلاش میں چل پڑی اور رات کے اس حصے میں خیردین بھلا دادی اماں کے کمرے کے علاوہ اور کہاں مل سکتا تھا، دادی اماں کے پاؤں دبائے جا رہے تھے اور ہریالے طوطے کی کہانی سنائی جا رہی تھی، جسے اختر بھی بیٹھا بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔ ذکیہ بیگم بھی تھیں اور عارفہ خالہ بھی، عارفہ خالہ کو خیردین کی کہانی میں سب سے زیادہ مزہ آ رہا تھا۔ ردا اندر داخل ہوئی تو عارفہ خالہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اے خیردین بیٹا ذرا یہ تو بتاؤ شہزادی گل فشاں کا کیا ہوا، وہ تو موئی جب سے قید ہوئی، جنات کے قبضے میں قید ہی رہی وہ کیسے نکلے گی؟''

(آگے پڑھیے)

''آپ نکال لائیں عارفہ خالہ'' خیردین نے کہا۔

''اے لو بیٹا، میں کیسے نکال لاؤں، مجھے تو جنوں سے ویسے ہی بڑا ڈر لگے ہے۔''

''تو پھر خاموش بیٹھیے، جب وقت آئے گا گل فشاں خود ہی نکل آئے گی۔'' خیردین نے برا مانتے ہوئے کہا، دادی اماں ہنس کر بولیں۔

''تم خیردین کو کہانی کے درمیان ٹوکنے سے باز نہیں رہتیں عارفہ اور خیردین بار بار یہی احتجاج کرتا ہے کہ عارفہ خالہ کہانی پوری نہیں ہونے دیتیں۔'' اور عارفہ خالہ جھینپ سی گئیں۔

سب ردا کو دیکھ کر چونک پڑے تھے، خیردین کے ہاتھ دادی اماں کے پاؤں پر رک گئے، ایک لمحے کے لئے ردا نے خیردین کی صورت دیکھی اور پھر ذکیہ بیگم کو سلام کیا اور دادی اماں کے پاس آ بیٹھی۔

''آؤ بیٹی آؤ، آج ہمارے درمیان آنے کو کیسے دل چاہ گیا؟''

''تھک گئی ہوں دادی اماں، ہر چیز سے تھک گئی ہوں۔'' ردا نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ ذکیہ بیگم گہری نگاہوں سے ردا کو دیکھنے لگیں پھر بولیں۔

''کیا بات ہے، کچھ طبیعت خراب تھی تمہاری اب کیسی طبیعت ہے؟''

''ٹھیک ہے بیگم صاحب۔'' ردا نے کہا

''پھر وہی بیگم صاحب، ارے میں کہتی ہوں اتنے دن کے بعد ملتی ہو یہ بھی بھول جاتی ہو کہ اس سے پہلے کیا کہتی تھیں۔''

''معافی چاہتی ہوں۔''

''یہ کیا کہا تم نے کہ تھک گئی ہوں، بری طرح تھک گئی ہوں، کام سے تھک گئی ہو یا؟''

''نہیں نہیں بس ایسے ہی یہ جملہ منہ سے نکل گیا تھا، اکیلے انسان کہاں تک رہ سکتا ہے آپ لوگوں کے ساتھ کبھی کبھی بیٹھنے کو جی چاہتا ہے۔''

''تو منع کس نے کیا ہے بیٹے آ جایا کرو۔'' دادی اماں کہنے لگیں۔

''جی حاضر ہوا کروں گی؟'' ردا نے کہا پھر خیردین سے بولی۔

''خیردین، تمہیں جس وقت فرصت ہو جائے میرے پاس آ جانا بازار سے کچھ چیزیں منگوانی ہیں۔''

''آ جائیں گے جی، جب آپ حکم کرو گی، ابھی تو دادی اماں کے پیر دبا رہے ہیں۔'' خیردین نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا اور ردا نے گردن ہلا دی۔

''اپنی کہانی تو بھاڑ چولہے میں چلی ہی گئی، اب ہم کہانی نہیں سنائیں گے۔''

''ارے نہیں نہیں، اللہ کے واسطے، گل فشاں کو تو جنوں کے قبضے سے نکال لو۔'' عارفہ خالہ بے چین ہو کر بولیں۔

''نکال لیں گے جی جب فرصت ہو گی۔ ابھی ہمیں بہت سے کام ہیں۔'' خیردین برا ماننے والے انداز میں بولا۔

''معاف کرنا خیردین میں نے تمہاری کہانی میں مداخلت کی۔''

''ٹھیک ہے جی ٹھیک ہے، آپ ہی کی کیا بات ہے، گھر کے سارے ہی لوگ کرتے رہتے ہیں وہ تو خیردین ہی ایسے ہیں کہ کسی کی بات کا برا نہیں مانتے، اچھا دادی اماں ہم جا رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے بیٹا جیتے رہو'' دادی اماں نے کہا اور خیردین اٹھ کر باہر نکل گیا۔ ردا تھوڑی دیر تک ان لوگوں کے پاس بیٹھی ان سے باتیں کرتی رہی، عارفہ خالہ کی طنز بھری باتیں مسلسل جاری تھیں، وہ فطرتاً ایسی ہی تھیں کہ کسی سے سیدھے منہ بات کرنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ ہاں اگر چھینٹے بازی کرنے کا موقع مل جائے تو کبھی نہیں چوکتی تھیں، ردا سے اس کے بارے میں چند سوالات کئے لیکن سارے کے سارے سوالات چبھتے ہوئے تھے، ردا ان کی شخصیت سے اچھی طرح واقف ہو گئی تھی۔ چنانچہ برا مانے بغیر انہیں ایسے جواب دیئے کہ اس کے بعد عارفہ خالہ نے کچھ نہ پوچھا، تھوڑی دیر کے بعد وہ اجازت لے کر دادی اماں کے کمرے سے چلی آئی تھی۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے تیز روشنی جلا دی اور بیٹھ کر ایک کتاب کا مطالعہ کرنے لگی۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ خیردین نے دروازے پر دستک دی اور ردا نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ خیردین اندر آ گیا تھا، ردا نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور چند لمحات خاموشی سے اسی طرح دیکھتی رہی، خیردین بھی خاموش کھڑا تھا۔

''لیجئے جی آپ کی ہدایت کے مطابق خیردین ولد بشیر دین چک نمبر اٹھارہ ضلع گوجرانوالہ حاضر ہیں کہیئے آپ کو کیا منگوانا ہے بازار سے؟''

ولد بشیر دین چک نمبر اٹھارہ ضلع گوجرانوالہ اگر تھوڑی بہت انگریزی میں گٹ پٹ کر لیتے ہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے، آخر آپ لوگوں کے ساتھ رہے ہیں، بڑے بڑے لوگوں کی نوکری کی ہے ہم نے تھوڑی بہت تو انگریزی آنی ہی چاہئے اس میں چھپانے کی کیا بات ہے۔''

''اور کسی فلسفی کے ساتھ بھی رہے ہو جس کی وجہ سے فلسفہ بولنا آ گیا ہے، کسی منطقی کے ساتھ بھی رہے ہو جس کی وجہ سے منطق سے بھی خاصی واقفیت ہو گئی ہے، کسی نفسیات داں کے ساتھ بھی رہے ہو جس کی وجہ سے ماہر نفسیات ہو گئے ہو۔''

''ارے ارے آپ تو ہم سے بھی زیادہ انگریزی جانتی ہیں

''ہاں جی کہے تھے، یہ جملہ کسی سے سنا تھا۔ شاید فلم میں کسی ولن نے ہیرو سے کہا تھا یا پھر ہیرو نے ولن سے'' خیردین بولا۔

''اگر بھاگنا چاہتے ہو اپنے الفاظ سے تو ردا میں اتنی ہمت کہاں کہ کسی کو اس کی مرضی کے خلاف مجبور کر سکے۔''

''نہیں جی اس جملے کا مطلب ہم نے بعد میں سمجھ لیا تھا اور اچھی طرح یاد کر لیا تھا اسے اور پھر سوچا کہ کسی ایسی شخصیت سے یہ جملہ کہیں گے جو کسی پریشانی کا شکار ہو اور اس سے کہیں گے کہ اپنی پریشانیاں ہمیں دے دو۔''

''خیردین میں پریشان ہوں۔''

''تو پھر دے دو پریشانیاں ہمیں، ہم سب ٹھیک کر لیں گے۔'' خیردین نے مستانہ انداز میں کہا۔

''کیا تم سنجیدگی سے میری بات سن رہے ہو؟''

''دیکھو جی، خیردین کے اندر ایک ہی خوبی ہے جو بھی سنتا ہے سنجیدگی سے سنتا ہے اور جس سے جو کچھ بھی کہتا ہے سنجیدگی سے کہتا ہے۔ بس ہم نے آپ سے کہہ دیا اگر آپ پریشان ہیں تو اپنی پریشانیاں ہمیں دے دیں ہم سب سنبھال لیں گے

''اور تم مجھ سے ان پریشانیوں کے سلسلے میں سوالات کرو گے خیردین۔''

''خیردین اگر میں تم سے کہوں کہ بیٹھ جاؤ تو بیٹھ جاؤ گے۔''

''کیوں نہیں بیٹھیں گے جی، آخر ادھر ادھر بیٹھتے ہی ہیں۔'' خیردین نے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا، ردا ہنس پڑی تھی، خیردین کی یہ حرکت اسے پسند آئی تھی اس نے خیردین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''انگریزی میں بات کرو مجھ سے؟'' ردا بولی اور خیردین نے چونک کر دروازے کی صورت دیکھی پھر دروازے کی طرف دیکھنے لگا اور آہستہ سے بولا۔

''کیوں نوکری سے نکلوانے کی کوشش کر رہی ہیں ردا بی بی؟''

''تو پھر تم مجھ پر کھل کیوں نہیں جاتے خیردین، سب لوگوں کو تم نے اپنے بارے میں جو کچھ بھی بتایا ہے وہ ٹھیک ہے، جب تم نے مجھ سے ایسی باتیں کی ہیں تو پھر کم از کم مجھے خود سے لاعلم نہ رکھو۔''

''لو جی اس میں لاعلم رکھنے کی کیا بات ہے، خیردین روا بی بی۔'' خیردین نے کہا اور ردا مسکرانے لگی۔

''خیر تمہارے آنے سے ذہن کو ایک فرحت کا احساس ہونے لگا ہے خیردین، خاص طور سے اس تصور کے ساتھ کہ تم نے مجھے باقی لوگوں سے زیادہ اہمیت دی ہے، میں شاید تم سے بے تکلفی سے بول کر بعد میں شرمندگی ہی اٹھاؤں، پتہ نہیں تم کیا نکلو، لیکن بس میں اس سلسلے میں قطعی قصوروار نہیں ہوں گی، تم جو کچھ بھی ہو اور جیسی شخصیت کے مالک ہو میں تو تمہیں صرف خیردین ہی سمجھتی ہوں اور خیر دین اس گھر کا ملازم نہیں بلکہ ایک انسان ہے، جس نے مجھ سے چند ایسے الفاظ کہے ہیں جو میرے لئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔''

''کونسے الفاظ؟'' خیردین نے ردا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم نے کہا تھا خیردین کہ ہر انسان کو زندگی میں ایک دوست کی ضرورت ہوتی ہے، کیا تم کسی انسان پر بھروسہ کر سکتی ہو؟''

''مطلب جی جو آپ بتائیں گی اس کے بارے میں تو پوچھنا ہی پڑے گا۔''

''لیکن اس کی گہرائیوں میں بھی اترنے کی کوشش کرو گے۔''

''نہیں جی زیادہ گہرائیوں سے ہمیں ڈر لگتا ہے، پاؤں پھسل گیا تو دھم سے نیچے جا گرے، سر پھٹ گیا، ٹانگ ٹوٹ گئی، نہیں جی ہم گہرائیوں میں نہیں اتریں گے وعدہ۔'' خیردین نے کہا اور ردا کو ہنسی آ گئی، اس شخص کے سلسلے میں صحیح فیصلہ کرنا دنیا کا سب سے مشکل کام تھا۔ برجستگی ایسی کہ مذاق ہی مذاق میں سب کچھ کہہ جائے، عجیب سی شخصیت تھی لیکن ردا کو اس کی شخصیت کی گہرائیوں میں خود بھی نہیں جھانکنا تھا وہ خیردین سے جلد از جلد اپنے دل کا حال کہہ دینا چاہتی تھی، ممکن ہے وہ کوئی صحیح مشورہ دے سکے۔

(جاری ہے)

کبھی میزائل جہاز کے اوپر سے گزرتا ہے تو کبھی ملبہ جہاز کے قریب گرتا ہے: آبنائے ہرمز پر پاکستانی اور دیگر ملاحوں نے کیا دیکھا؟

سمندر بعض اوقات اتنا پُرسکون ہوتا ہے کہ کیپٹن حسن خان (فرضی نام) بھول جاتے ہیں کہ ان کا جہاز گذشتہ تین ماہ سے ایک جنگی علاقے کے درمیان پھنس چکا ہے۔ ایک پاکستانی ملاح اپنی اصل شناخت ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتاتے ہیں کہ 'یہ واقعی عجیب بات ہے کہ باہر سب کچھ نارمل دکھائی دیتا ہے، لیکن اندر لوگ پُرسکون نہیں ہیں۔' بظاہر حالات معمول کے مطابق نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ خان اور ان کے ساتھ تقریباً 20 ہزار دیگر ملاح امریکہ اور اسرائیل کی ایران کے خلاف جنگ اور کشیدگی کے باعث فروری کے آخر سے آبنائے ہرمز کے اندر یا اس کے قریب پھنسے ہوئے ہیں۔

یہ علاقہ جو کبھی دنیا کے مصروف ترین آبی راستوں میں شمار ہوتا تھا اور جہاں سے دنیا کے تقریباً پانچویں حصے کے تیل اور گیس کی ترسیل ہوتی تھی، اب تقریباً مفلوج ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ فضا میں میزائلوں کی پرواز اور سمندر کی تہہ میں بارودی سرنگوں کی موجودگی بتائی جاتی ہے۔ اس کے باوجود، خان کے جہاز کا عملہ معمول کے مطابق کام کرنے کی کوشش کر رہا ہے، تاہم عملے کا کوئی بھی رکن شاذ و نادر ہی اجازت ملنے کے باوجود ساحل پر جانے کے لیے تیار ہوتا۔ خوش مزاج گفتگو کی جگہ اب ایک بے چینی بھری خاموشی نے لے لی ہے جو صرف موبائل فون کی گھنٹیوں سے ٹوٹتی ہے۔ لوگ معمولی سی آواز پر بھی نیند میں چونک جاتے ہیں۔ خان کہتے ہیں کہ 'یہ دباؤ ہمارے ذہن پر ہر وقت رہتا ہے۔ سب لوگ تھک چکے ہیں جسمانی اور ذہنی دونوں طرح سے۔' آبنائے ہرمز اور خلیجی علاقے کے نقشے میں دکھایا گیا ہے کہ تقریباً 1,600 جہاز پھنسے ہوئے ہیں۔

آمد و رفت اور رسد

میزائلوں اور سمندری بارودی سرنگوں سے لاحق خطرات کے علاوہ بھی ایک بڑا مسئلہ درپیش ہے۔ بین الاقوامی میری ٹائم آرگنائزیشن کے مطابق آبنائے ہرمز کے اس جانب پھنسے تقریباً 1,600 جہاز اب تک وہاں سے نکلنے سے قاصر ہیں۔ جنگ کے آغاز کے چند روز بعد ایران نے آبنائے ہرمز کو بند کر دیا تھا، جو خلیج سے باہر نکلنے کا واحد سمندری راستہ ہے اور واضح اجازت کے بغیر کسی بھی جہاز کو گزرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

ایک اور ملاح، کیپٹن شفیق الاسلام کہتے ہیں 'ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کسی تالاب میں قید ہو گئے ہوں۔ باہر نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ آبنائے ہرمز ہے۔'

بنگلہ دیشی ملکیت کے جہاز بنگلار جوئے جاترا کے کپتان شفیق الاسلام کے مطابق ان کا جہاز تقریباً 37 ہزار ٹن کھاد لے کر جنوبی افریقہ جا رہا تھا، تاہم گزشتہ چند ماہ کے دوران وہ دو مرتبہ آبنائے ہرمز عبور کر کے نکلنے کی کوشش کر چکے ہیں۔ دونوں کوششوں کے دوران ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

آٹھ اپریل کو جنگ بندی کے اعلان کے بعد الاسلام کو اطلاع ملی کہ ایک اور جہاز کو ایرانی پاسداران انقلاب کی جانب سے آبنائے ہرمز عبور کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے جہاز سمیت مزید چار بحری جہازوں کا رخ اس اہم آبی گزرگاہ کی جانب موڑ دیا۔ تاہم کچھ ہی دیر بعد انھیں آگے نہ بڑھنے کی وارننگ موصول ہوئی۔

نو روز بعد الاسلام نے ایک مرتبہ پھر کوشش کی جب ایران نے اسرائیل اور لبنان کے درمیان جنگ بندی کے تناظر میں اعلان کیا کہ آبنائے ہرمز تمام تجارتی جہازوں کے لیے 'مکمل طور پر کھول دی جائے گی۔'

تاہم امریکہ کی جانب سے ایرانی بندرگاہوں کی ناکہ بندی برقرار رکھنے کے بعد ایران نے جلد ہی اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔ اس وقت تک الاسلام کا جہاز آبنائے ہرمز سے صرف 30 بحری میل (تقریباً 55 کلومیٹر) کے فاصلے تک پہنچ چکا تھا، لیکن مسلسل حملوں کی وارننگز ریڈیو پر موصول ہونے کے باعث انھیں مجبوراً جہاز کا رخ واپس موڑنا پڑا۔ یہ ایک اسکرین شاٹ ہے جو جہاز کے اعلیٰ افسران کی جانب سے عملے کا حوصلہ بڑھانے کے لیے بنائی گئی ویڈیو سے لیا گیا ہے۔

جنگی صورتحال کے باعث خلیج میں پھنسے متعدد جہازوں نے حفاظتی اقدامات کے تحت مختلف بندرگاہوں کا رخ کر لیا ہے یا ساحل سے دور لنگر انداز ہو گئے ہیں تاہم اب خوراک اور پینے کے پانی کی فراہمی ایک سنگین مسئلہ بنتی جا رہی ہے۔ اگرچہ بندرگاہوں میں داخل ہوئے بغیر بھی ضروری سامان کی فراہمی ممکن ہے، کیونکہ خلیجی خطے خصوصاً دبئی، ابوظہبی اور کویت کے اطراف میں سپلائی کی مؤثر سہولیات موجود ہیں لیکن موجودہ حالات میں سامان کی ترسیل غیر یقینی ہو چکی ہے۔ بنگلار جوئے جاترا کے چیف انجینئر راشد الحسن کے مطابق ضروری اشیاء میں سب سے زیادہ اضافہ پانی کی قیمت میں ہوا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ 'دو روز قبل ہم نے جہاز کے لیے تقریباً 180 ٹن پانی خریدا۔ پہلے اس پر 1,500 سے 2,000 ڈالر تک لاگت آتی تھی، لیکن اب اسی مقدار کے لیے 11 ہزار ڈالر ادا کرنا پڑے۔'

جنوبی کوریائی ملاح، جنھوں نے شناخت ظاہر نہ کرنے کی درخواست کی، کا کہنا ہے کہ بعض خوراک اور پانی فراہم کرنے والی کمپنیاں موجودہ بحران سے فائدہ اٹھا کر غیر معمولی منافع کمانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ 'ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کچھ سپلائرز حالات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں بے جا اضافہ کر رہے ہیں۔' دوسری جانب موسم گرما کی آمد کے ساتھ پھنسے ہوئے جہازوں کو پانی کی مزید ضرورت پیش آئے گی۔ مئی کے دوران خطے میں درجہ حرارت پہلے ہی 30 ڈگری سینٹی گریڈ سے تجاوز کر چکا ہے، جبکہ گرمی کی شدت بڑھنے پر یہ 45 ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ سکتی ہے۔

کیپٹن حسن خان کے مطابق ان کے جہاز پر فی الحال خوراک اور پانی موجود ہے، تاہم اب راشن پہلے کے مقابلے میں محدود ہو گیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ گائے اور مرغی کا گوشت تو کسی حد تک دستیاب ہے، لیکن سبزیوں اور دالوں کا حصول دن بہ دن مشکل ہوتا جا رہا ہے۔

موت اور سفارت کاری

بنگلار جوئی جاترا جنوری کے آخر میں بنگلہ دیش سے روانہ ہوا تھا اور اب متحدہ عرب امارات کی شارجہ بندرگاہ پر لنگر انداز ہے۔ اگرچہ کیپٹن شفیق الاسلام خود کو نسبتاً خوش قسمت سمجھتے ہیں، لیکن ان کے مطابق جنگ کے دوسرے ہی روز ان کا جہاز دبئی کی جبل علی بندرگاہ سے صرف 200 میٹر کے فاصلے پر موجود تھا، جب اس بندرگاہ کو ایرانی حملے کا نشانہ بنایا گیا۔

کیپٹن الاسلام کے مطابق اس واقعے کے بعد وہ اور ان کے 30 رکنی عملے نے اتنے حملے دیکھے ہیں کہ اب ان کی گنتی بھی یاد نہیں رہی۔ انھوں نے کہا کہ 'کبھی میزائل ایک جہاز کے اوپر سے گزرتے ہیں اور کبھی ان کا ملبہ دوسرے جہاز کے قریب آ گرتا ہے۔'

جہاز کے چیف انجینئر راشد الحسن کا کہنا ہے کہ جب رات بھر حملے جاری رہتے تھے تو عملے کا کوئی فرد سو نہیں پاتا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ 'ہم نے اپنی آنکھوں سے خوف اور تباہی کے مناظر دیکھے ہیں۔'

ملاحوں کے خوف کی ایک بڑی وجہ جانی نقصان بھی ہے۔ بین الاقوامی میری ٹائم آرگنائزیشن کے مطابق اب تک تصدیق شدہ 39 مختلف واقعات میں کم از کم 11 ملاح ہلاک ہو چکے ہیں، جبکہ ایک شخص اب بھی لاپتا ہے۔ جنگ بندی کے بعد اگرچہ کشیدگی میں کسی حد تک کمی آئی، تاہم آبنائے ہرمز میں جاری فوجی سرگرمیاں اس صورتحال کی نازک نوعیت کی مسلسل یاد دہانی کراتی ہیں۔

بعض ملاح اب بھی ڈرونز اور جنگی طیاروں کی پروازیں دیکھتے ہیں، جبکہ دیگر کے مطابق جنگی بحری جہاز اور آبدوزیں معمول کے مطابق علاقے میں گشت کر رہی ہیں۔ ایک پاکستانی ملاح ساجد مسعود (فرضی نام)، جو ایک آئل ٹینکر پر باورچی کے فرائض انجام دے رہے ہیں، نے بتایا کہ 'یہ جنگی جہاز تیز روشنیاں استعمال کرتے ہیں اور لاؤڈ اسپیکرز پر مسلسل اعلانات بھی سنائی دیتے ہیں۔' کپتان کا کہنا ہے کہ 'ایرانی حکام ایسا اس لیے کر رہے ہیں تاکہ کسی بھی جہاز کو آبنائے ہرمز سے گزرنے نہ دیا جا سکے۔' امریکہ-اسرائیل حملوں کے بعد ایران نے خلیجی ممالک، خصوصاً یو اے ای کی جبل علی بندرگاہ، پر حملے کیے۔

آبنائے ہرمز میں پھنسے ہوئے ہزاروں ملاحوں کے لیے فی الحال کوئی واضح راستہ دکھائی نہیں دیتا، جبکہ شپنگ کمپنیاں بڑھتے ہوئے نقصانات کے باعث اخراجات کم کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

پاکستانی ملاح کامل (فرضی نام) کے مطابق جنگ کے آغاز میں متعدد شپنگ کمپنیوں نے اپنے عملے کو جہازوں پر برقرار رکھنے کے لیے اضافی تنخواہوں اور خصوصی مراعات کی پیشکش کی تھی۔ انھوں نے بتایا کہ اب صورتحال بدل چکی ہے۔ کمپنیاں بھاری مالی نقصانات کا سامنا کر رہی ہیں، اس لیے عملے کو بتایا جا رہا ہے کہ جو ملازم ملازمت چھوڑنا چاہے، وہ چھوڑ سکتا ہے، جبکہ تنخواہوں اور دیگر مراعات میں بھی کمی کی جا رہی ہے۔

تاہم سوال یہ ہے کہ اگر موجودہ عملہ رخصت ہو جاتا ہے تو ان کی جگہ کون لے گا؟

بہت سے ملاحوں کے معاہدوں کی مدت ختم ہو چکی ہے اور عملے کی تبدیلی کا عمل کافی عرصے سے مؤخر ہے، لیکن موجودہ حالات میں اتنی بڑی تعداد میں نئے ملاحوں کی دستیابی ایک بڑا چیلنج بن چکی ہے، حتیٰ کہ جنگ کے خاتمے کے بعد بھی۔

کامل کہتے ہیں کہ 'اس بحران نے دنیا کو دکھا دیا ہے کہ یہ پیشہ کس قدر خطرناک ہو سکتا ہے۔ بہت سے ملاح اب اس پیشے کے بارے میں مختلف انداز میں سوچنے لگے ہیں۔'

(باقی صفحہ 15 پر)

دنیا میں بھی ناقابلِ شکست ... 'دی گریٹ گاما'

20 لیٹر دودھ، چھ مرغے اور بہت کچھ...... اس ناقابل شکست پہلوان کی کہانی جو دن میں 15 گھنٹے ورزش کرتا تھا

28 جنوری 1928 کو ہونے والی اس کشتی کی ایسی دھوم تھی کہ کئی ہندوستانی ریاستوں کے حکمران اور برطانوی حکام سمیت ہزاروں لوگ پنجاب کی ریاست پٹیالے میں امڈ آئے تھے۔ مقابل تھے 'زبسکو' کہلاتے پولینڈ کے پہلوان سٹینسلاو سائگانیوچ اور 'گاما' کے نام سے معروف برطانوی ہندوستان کے پہلوان غلام حسین۔

ہو سکتا ہے کہ بعض پڑھنے والے کہیں کہ گاما کا اصل نام غلام محمد تھا۔ لیکن سید آغا اشعر لکھنوی کی کتاب 'گاما گنگ' میں فہیم الدین فہمی کی لکھی گاما کی سوانح عمری 'رستم زماں گاما' اور اختر حسین شیخ کی کتاب 'داستانِ تاریخ پہلوانی' سے علم ہوتا ہے کہ گاما کا اصل نام غلام حسین ہی تھا۔ یہ تمام کتابیں ریاستی، سرکاری اور مالیاتی دستاویزات اور خود گاما اور ان کے عزیز و اقارب سے ملیں اور پھر دوبارہ تصدیق کی گئی معلومات پر مبنی ہیں۔ غلام حسین عرف گاما 22 مئی 1878 کو عزیز (پورا نام عبدالعزیز یا عزیز بخش) کے ہاں ریاست دتیا میں پیدا ہوئے جو اب موجودہ مدھیا پردیش کا حصہ ہے۔ عزیز کے والد نے کشمیر سے امرتسر ہجرت کی تھی۔ گاما کی پیدائش کے وقت عزیز ریاست دتیا سے بطور پہلوان وابستہ تھے۔ اختر شیخ کے مطابق گاما کی عمر، چند ماہ کم، چھ برس کی تھی جب والد کی وفات ہو گئی۔ انھیں تب تک ان کے والد نے کشتی سے متعارف کروا دیا تھا۔ گاما کے چھوٹے بھائی امام بخش والد کی وفات کے دو ماہ بعد پیدا ہوئے۔ اپنے نانا نون (امیر بخش) پہلوان کے پاس پلنے کی وجہ سے گاما کو 'گاما نون والا' بھی کہا جاتا تھا۔ نون پہلوان قتل ہوئے تو ان کے بیٹے یعنی گاما کے ماموں عیدا پہلوان نے ان کی سرپرستی کی۔ پرشانت کڈامبی اپنی کتاب 'کرکٹ کنٹری: این انڈین اوڈیسی ان دی ایج آف ایمپائر' میں لکھتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ عیدا پہلوان نے عہد کیا تھا کہ وہ گاما کو 'وہ چیمپئن پہلوان بنائیں گے جو ان کے والد انھیں دیکھنا چاہتے تھے۔' اپنے والد کی خواہش پوری کرنے کے لیے گاما نے نہایت سخت ورزش کا معمول اپنایا۔

دس سال کی عمر میں 400 پہلوانوں میں سب سے زیادہ بیٹھکیں

جوزف آلٹر نے اپنی کتاب 'گاما دی گریٹ' میں لکھا کہ گاما نے صرف دس برس کی عمر میں 400 پہلوانوں کے مجمع میں سب سے زیادہ بیٹھکیں لگائیں۔

رونو جوئے سین لکھتے ہیں کہ اس مقابلے میں چار سو سے زائد پہلوانوں میں سے آخری 15 پہلوانوں میں شامل تھے۔ کم عمری کے باعث جودھپور کے مہاراجا جسونت سنگھ نے انھیں فاتح قرار دیا اور اپنی سرپرستی میں لے لیا۔

شیخ اور فہمی کے مطابق عمر کے آخری حصے میں گاما نے کہا تھا کہ 'مجھے یہ تو اندازہ نہیں کہ کتنے سپاٹے لگائے لیکن میرے تمام رگ پٹھے اکڑ گئے تھے اور میں ایک ہفتہ چارپائی سے نہ اٹھ سکا تھا۔'

لکھنوی نے لکھا کہ جودھ پور میں گاما کے دوسرے ماموں بوٹا پہلوان نے راجا جسونت سنگھ کی رائے سے گاما اور امام بخش دونوں کو استاد مادھو سنگھ کی شاگردی میں دے دیا۔ تربیت کا یہ دورانیہ چار برس پر محیط ہے۔ والی جودھ پور کی وفات کے بعد گاما پھر دتیا واپس آ گئے۔

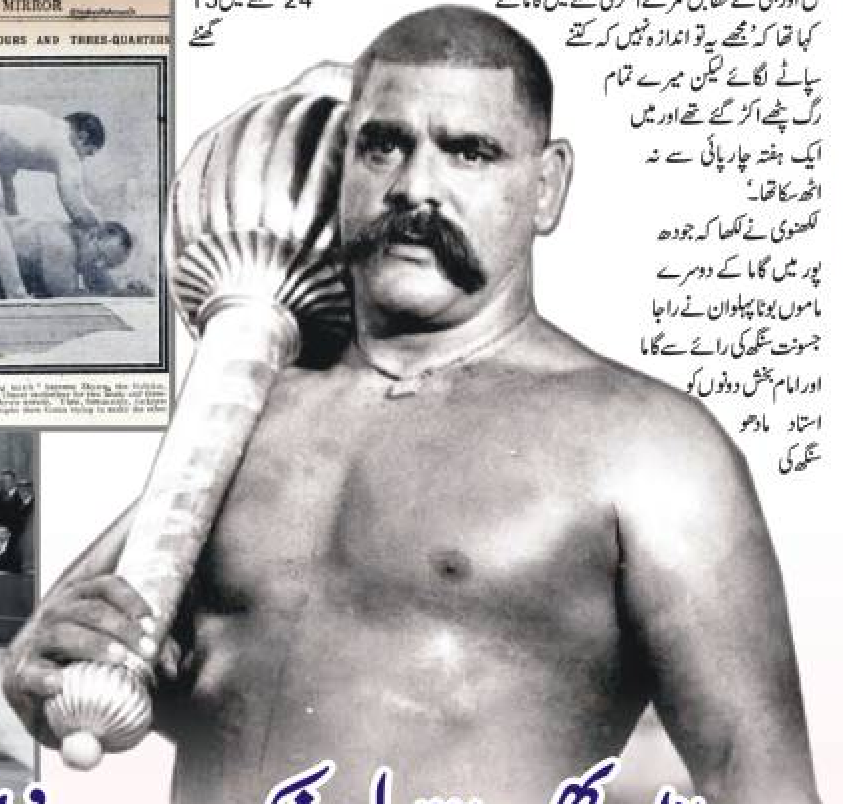

15 گھنٹے ورزش

لکھنوی لکھتے ہیں کہ دتیا کے باہر وسیع باغ میں سرکاری بیلی کوٹھی میں گاما نے اکھاڑا بنایا تھا۔ 'گاما روزانہ دو ہزار ڈنڈ (پش اپس یا ڈپس)، (ٹانگوں اور کولھوں کے پٹھوں کو مضبوط بنانے کے لیے) پانچ ہزار بیٹھکیں (سکواٹس) اور دو ہزار ہاتھ مگدر (پہلوانی میں ورزش کے لیے استعمال ہونے والا ڈنڈا جو ایک جانب وزنی ہوتا ہے) نکالتے تھے۔

'پتھر کا ایک پاٹ جس کا وزن تقریباً پانچ من ہو گا (میں نے دیکھا) گاما اپنے گلے میں ڈال کر باغ کا پورا چکر دوڑ کر لگاتے تھے جس کا دور ایک میل سے کسی طرح کم نہیں۔ تیل کی مالش بہت کم کراتے تھے۔'

کتاب 'پہلوانوں کی دنیا' کے مصنف اور انڈیا کے پہلوان برکت علی لکھتے ہیں کہ صبح دو سے دس بجے تک ہر روز گاما جسم کے نچلے حصے کی اور دو بجے سہ پہر سے سات بجے شام تک جسم کے اوپری حصے کی ورزش کرتے۔ 'ہر شام وہ دو گھنٹے پیدل چلتے۔ سو ہم کہہ سکتے ہیں کہ گاما 24 گھنٹے میں 15 گھنٹے ورزش کرتے۔'

خوراک: 20 لیٹر دودھ، چھ مرغے اور بہت کچھ

کڈامبی کے مطابق اس قدر مشقت طلب جسمانی سرگرمی کے لیے اپنے جسم کو طاقت فراہم کرنے کی خاطر وہ یخنی جو گوشت اور ہڈیوں سے تیار کردہ شوربہ تھی، وافر مقدار میں پیتے۔ اس کے علاوہ روزانہ 20 لیٹر دودھ، آدھ لیٹر گھی، تین چوتھائی کلو مکھن اور چار کلو پھل استعمال کرتے تھے۔ اختر حسین شیخ کے مطابق گاما بچپن میں روزانہ 500 ڈنٹر (ڈنڈ) اور اتنے ہی سپاٹے (بیٹھکیں) لگاتے۔ 15 برس کی عمر میں وہ تین ہزار سپاٹے اور اتنے ہی ڈنٹر پیلتے۔ 20 برس کی عمر میں یہ تعداد بڑھ کر پانچ ہزار ڈنٹر اور تین سے چار ہزار سپاٹوں تک پہنچ گئی۔ 25 سے 50 برس کی عمر تک وہ عموماً روزانہ چھ ہزار سپاٹے اور پانچ ہزار ڈنٹر پیلتے۔

'خوراک روزانہ کے چھ مرغے یا پانچ سیر چھوٹے گوشت کی یخنی مع ایک پاؤ گھی، 10 سیر دودھ، آدھ سیر گھی، پون سیر بادام اور مختلف مربہ جات پر مشتمل تھی۔'

گاما بھوپال کے قریب ریاست ریواں کے راجا پرتاب سنگھ کی سرپرستی میں بھی رہے جہاں میراں سنگھ بھکھی والا نے ان کے فن کی نوک پلک درست کی۔ کڈامبی نے لکھا کہ صدی کے ابتدائی برسوں میں گاما دتیا کے دربار میں پہلوان مقرر ہوئے۔ انھوں نے مختلف ریاستوں کے نامور پہلوانوں کو مسلسل شکست دے کر اپنی شہرت قائم کی۔ 'ان کی سب سے نمایاں فتح غلام محی الدین پر تھی، جو خود بھی ایک باصلاحیت ہم عصر پہلوان تھے۔' 'ان برسوں میں صرف رحیم سلطانی والا ہی ایسے پہلوان تھے جو گاما کے مقابل ڈٹ سکے۔ 1907 سے 1909 کے درمیان ان دونوں پہلوانوں کے درمیان تین مقابلے ہوئے مگر کوئی بھی واضح فاتح نہ بن سکا۔ اس کے باوجود دہائی کے اختتام تک بیشتر مبصرین گاما کو ہندوستان کا سب سے بڑا پہلوان ماننے لگے تھے۔'

لکھنوی کے مطابق خود گاما نے اپنی 16 بڑی کشتیوں کا بیان کرتے ہوئے 12 سال کی عمر میں پہلی کشتی جیتنے کا تذکرہ کیا۔ شیخ نے لکھا کہ غلام محی الدین کے خلاف اس کشتی کو اساتذہ 'ادھ مٹی' کشتی قرار دیتے ہیں۔ اس فتح پر والی ریاست دتیا نے گاما کو 20 ہزار روپے اور 22 سیر وزنی چاندی کا گرز انعام میں دیے۔

'مقابلہ صرف رحیم سلطانی والا کر پائے'

گاما نے رحیم سلطانی والا سے پہلی بار برابر رہنے کو 'ایک طرح کی جیت' قرار دیا کیونکہ ان کے مطابق 'ہندوستان میں اس وقت دوسرا اس کی ٹکر کا پہلوان نہیں تھا۔' بعد میں اندور اور لاہور میں بھی ان ہی سے برابر رہے لیکن ان کے مطابق الہ آباد میں 'خدا نے مجھے فتح دی اور رستم ہند کا گرز مجھے مل گیا۔'

شیخ نے لکھا کہ رحیم، رستم زماں کی زد میں آ گئے۔ داؤ اتنا کامیاب تھا، ضرب اتنی کاری تھی کہ حریف اپنے بے مثل فن سمیت دھڑام سے اکھاڑے میں چاروں شانے چت گرا اور برسوں کی کشمکش کا فیصلہ ہو گیا۔ یہ کشتی کا پینتالیسواں منٹ تھا۔ رحیم نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ 'گاما کا کہنا تھا کہ 'میرا مقابلہ اگر کوئی کر سکا تو وہ رحیم بخش تھا اور وہی میری شہرت کا باعث ہوئے۔' حسین بخش ملتانی کو ایک سے زیادہ بار حریف چیلنج کی لاہور آمد پر ہاتو خاں ملتانی سے کشتی تھی لیکن وہ مقابلے میں نہ آئے۔ پرنس بہادر نے رستم ہند کا گرز مجھے دیا۔'

دنیا میں بھی ناقابلِ شکست

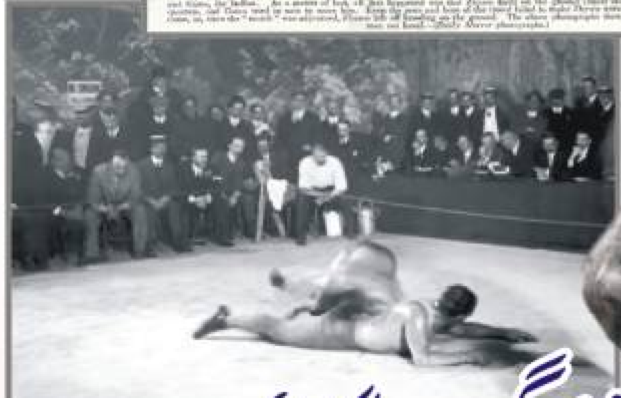

گاما نے عالمی سطح پر بھی اپنا نام پیدا کیا اور ناقابل شکست رہے۔ سنہ 1910 میں گاما کو جان بُل ورلڈ چیمپئن شپ مقابلوں میں حصہ لینے کے لیے لندن بھیجا گیا۔ گاما، ان کے بھائی، اور دو دوسرے پہلوانوں کی سرپرستی ایک بنگالی کروڑ پتی، سرت کمار مترا، نے کی۔ آلٹر نے لکھا کہ بدقسمتی سے گاما کا قد اتنا کم تھا کہ انھیں باضابطہ طور پر مقابلے کا امیدوار تسلیم نہیں کیا گیا۔

'تاہم ایک مقامی تھیٹر نے انھیں ہفتہ وار 250 پاؤنڈ سٹرلنگ کے عوض نمائشی مقابلوں میں حصہ لینے کی پیشکش کی۔ اسی غیر رسمی پلیٹ فارم سے گاما نے لندن کے تمام عالمی معیار کے پہلوانوں کو مقابلے کا چیلنج دیا۔ انھوں نے اعلان کیا کہ جو بھی پانچ منٹ تک ان کے سامنے ٹھہر گیا، اسے وہ پانچ پاؤنڈ ادا کریں گے۔'

'گاما تمام حریفوں کو نہایت مختصر وقت میں پچھاڑتے رہے۔ اس طرح انھیں باضابطہ ٹورنامنٹ میں رسائی مل گئی جہاں ان کا مقابلہ عالمی چیمپئن زبسکو سے ہوا۔'

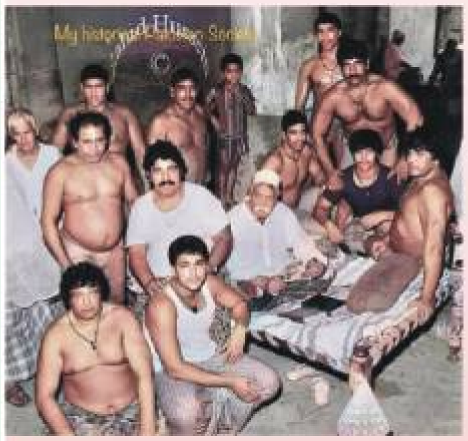

کڈامبی کے مطابق جونہی دونوں پہلوان آمنے سامنے آئے، پولش پہلوان فوراً زمین پر لیٹ گیا اور باقاعدہ کشتی لڑنے کی تمام کوششوں سے گریز کیا۔

'گاما کی بھرپور کوششوں اور سٹیڈیم میں موجود آٹھ ہزار تماشائیوں کے نعروں کے باوجود وہ اپنی اس حالت سے نہ ہلا۔ آخرکار ڈھائی گھنٹے سے کچھ زیادہ وقت گزرنے کے بعد اس بے نتیجہ مقابلے کو ختم کر دیا گیا جب مشتعل تماشائیوں کے کچھ گروہ احتجاج کے لیے میدان میں اتر آئے۔ نتیجہ حاصل کرنے کی غرض سے اگلے ہفتے دوبارہ مقابلہ طے کیا گیا۔

(باقی صفحہ 15 پر)

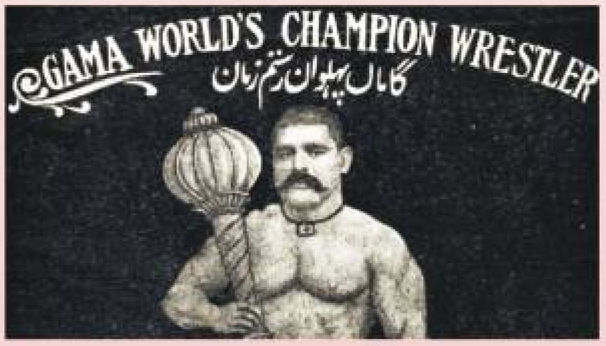

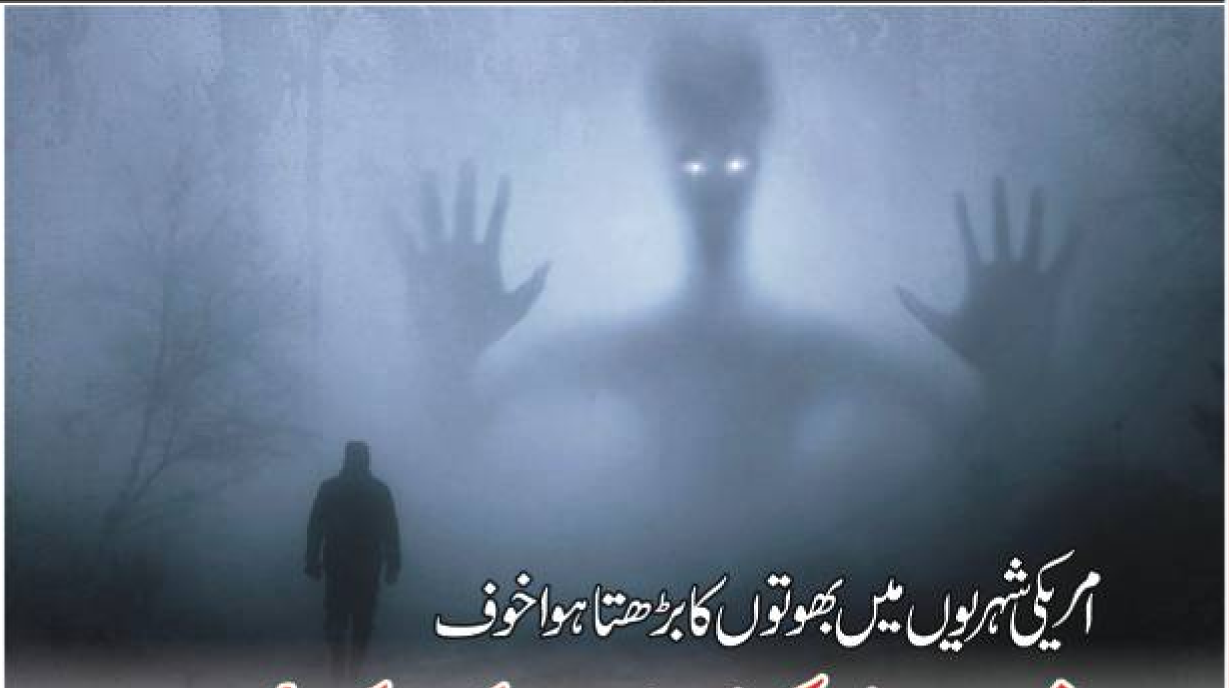

امریکی شہریوں میں بھوتوں کا بڑھتا ہوا خوف

ہر پانچ میں ایک امریکی شہری کو بھوت کیوں دکھائی دیتے ہیں؟

کوئی بھی حتمی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ بھوتوں کا وجود ہے، لیکن بہت سے لوگ مانتے ہیں کہ بھوت ہوتے ہیں۔

ہر پانچ امریکی شہریوں میں سے تقریباً ایک کا کہنا ہے کہ اس نے بھوت دیکھا۔ میں ان شہریوں میں شامل نہیں اور میں غالباً کبھی ہوں گی بھی نہیں۔ میں اس کا الزام اپنے دماغ کو الزام دیتی ہوں۔ میں وضاحت کرتی ہوں۔ کوئی بھی حتمی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ بھوتوں کا وجود ہے، لیکن بہت سے لوگ مانتے ہیں کہ بھوت ہوتے ہیں۔ تقریباً تین چوتھائی امریکی کسی نہ کسی قسم کی مافوق الفطرت سرگرمیوں پر یقین رکھتے ہیں۔ ان میں صرف بھوت ہی نہیں، بلکہ روحانی صلاحیتیں، مستقبل کا حال بتانے والے خواب، روحوں سے رابطہ کروانے والے افراد اور ایسی ہر وہ چیز شامل ہے جس کی کوئی عام اور روایتی تشریح نہیں کی جا سکتی۔

نفسیات کا پروفیسر ہونے کی وجہ سے میں اکثر اس بات پر غور کرتی ہوں کہ لوگ اپنے تجربات سے معنی اخذ کرتے وقت کس طرح اپنی ذاتی سوچ کا استعمال کرتے ہیں۔ پھر میں سوچتی ہوں کہ کیا بظاہر غیر معمولی لگنے والے تجربات کی بالکل عام سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ روزمرہ کے مختلف عوامل ایک ساتھ مل کر کسی مافوق الفطرت تجربے کا احساس پیدا کرنے کا باعث بنتے ہوں۔ میں نے اپنی نئی کتاب 'سائنس آف دی سپر نیچرل' میں اس نظریے پر بات کی ہے کہ انسانی دماغ بیرونی دنیا کو سمجھنے میں غلطی کر کے مافوق الفطرت چیزوں کا تجربہ خود سے تخلیق کر لیتا ہے۔ یہاں وہ تین عوامل بیان کیے گئے ہیں جو آپ کے دماغ کو دھوکہ دے کر ایک نقلی بھوت تخلیق کرنے کا باعث بن سکتے ہیں۔

بھوتوں سے جڑا پہلا عنصر۔ ماحولیاتی محرکات

جس کسی نے بھی کبھی بھوتوں کی کھوج کا کوئی شو دیکھا ہے، اس نے غیر معمولی سرگرمیوں کے محقق کو مبینہ مافوق الفطرت سرگرمی کے دوران کچھ یوں بڑبڑاتے ضرور سنا ہوگا کہ 'ای ایم ایف بے قابو ہو رہا ہے۔' الیکٹرو میگنیٹک فیلڈز یعنی ای ایم ایف' برقی چارج والے ذرات سے پیدا ہونے والے توانائی کے نہ نظر آنے والے دائرے ہیں۔ فی الحال، اس بات کا کوئی براہ راست ثبوت نہیں ہے کہ انسان شعوری طور پر ای ایم ایف کو بالکل اسی طرح محسوس کر سکتے ہیں، جس طرح ہم اپنے ماحول میں موجود چیزوں کو چھو، دیکھ یا سن سکتے ہیں، لیکن کسی مقامی ہارڈ ویئر سٹور سے خریدی گئی ہاتھ میں پکڑی جانے والی مشین کی مدد سے، آپ انہیں کہیں بھی ناپ سکتے ہیں۔ ای ایم ایف ڈیٹیکٹر کسی بھی برقی یا مقناطیسی سرگرمی کو پکڑ لیتا ہے، چاہے وہ انسان کی پیدا کردہ ہو یا کسی دوسری دنیا کی۔ لیکن کیا ای ایم ایف کے اتار چڑھاؤ کا مافوق الفطرت سرگرمیوں سے کوئی تعلق ہے؟

سائنسی طریقہ کار اس سوال کا جواب دینے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ سکاٹ لینڈ کے شہر ایڈنبرا کے نیچے واقع ساؤتھ سٹریٹ والٹس میں کی گئی ایک تحقیق کے مطابق، ان جگہوں پر ای ایم ایف میں زیادہ اتار چڑھاؤ دیکھا گیا، جہاں بھوتوں کے واقعات کی تاریخ موجود تھی۔ ایک اور تحقیق سے پتہ چلا کہ انگلینڈ کے ہیمپٹن کورٹ پیلس کے ان حصوں میں ای ایم ایف کے اندر زیادہ نمایاں تبدیلیاں پائی گئیں جنہیں زیادہ 'بھوتوں والا' سمجھا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لوگ نادانستہ طور پر ماحولیاتی محرکات، جیسے برقی مقناطیسی میدانوں میں ہونے والی تبدیلیوں کو محسوس کر رہے ہوں۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے: کیا بھوت کی وجہ سے ای ایم ایف میں تبدیلی آئی، یا ای ایم ایف کی وجہ سے بھوت کا احساس پیدا ہوا؟

آج تک، صرف ایک تحقیقی گروپ نے تجرباتی طور پر ماحولیاتی عوامل، بشمول پیچیدہ ای ایم ایف، میں ردوبدل کرنے اور اس کے نتیجے میں مافوق الفطرت چیزوں کے احساس کو جانچنے کی کوشش کی ہے۔ تحقیق میں شامل افراد نے واقعی کئی عجیب و غریب چیزیں رپورٹ کیں، جن میں چکر آنے سے لے کر خود کو اپنے جسم سے الگ محسوس کرنا اور یہاں تک کہ کسی کی موجودگی کا احساس تک شامل تھا، لیکن یہ تجربات ان ماحولیاتی حالات سے مطابقت نہیں رکھتے تھے جنہیں محققین نے تبدیل کیا تھا، جیسے کہ ای ایم ایف کی شدت۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے غیر معمولی تجربات بیان کیے، وہ وہی لوگ تھے جو مافوق الفطرت چیزوں پر زیادہ پختہ یقین رکھتے تھے۔

کیا ای ایم ایف جیسے ماحولیاتی عوامل مافوق الفطرت چیزوں کے احساس کا باعث بنتے ہیں؟ ایک طرف، مبینہ طور پر بھوتوں کی موجودگی والی جگہوں اور ای ایم ایف کی تبدیلیوں کے درمیان ایک تعلق موجود ہے اور کچھ ایسے اشارے بھی ملتے ہیں کہ انسان مقناطیسی اثرات کو محسوس کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف تجربہ گاہ کے ماحول میں ای ایم ایف میں کی جانے والی تجرباتی تبدیلیوں کا عجیب و غریب احساسات سے کوئی تعلق ثابت نہیں ہوا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں بھوتوں سے جڑے دیگر عوامل پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

بھوتوں سے جڑا دوسرا عنصر۔ اعصابی مسائل

سر کے ایک حصے پر ہلکا سا برقی کرنٹ لگا کر، جو عام طور پر کسی طبی طریقہ کار کے لیے مریض کا معائنہ کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے، محققین نے کچھ عجیب و غریب اثرات کا مشاہدہ کیا ہے۔ ایک کیس سٹڈی میں ایک ایسے مریض کا احوال بیان کیا گیا، جس نے ایک 'خیالی سائے' کو محسوس کیا، جو اس کی حرکات کی نقل کر رہا تھا اور یہاں تک کہ ان میں مداخلت بھی کر رہا تھا۔ دیگر لوگوں نے جسم سے باہر نکلنے کے تجربات رپورٹ کیے ہیں۔ تجرباتی شواہد بتاتے ہیں کہ دماغ کا یہ حصہ، جسے ٹیمپورو پیریٹل جنکشن کہتے ہیں، شاید جسم میں ہونے کے احساس کے لیے انتہائی اہم ہے یعنی یہ احساس کہ آپ اپنے جسم کے اندر موجود ہیں۔ دماغ کے اس حصے میں خلل ڈالنے سے بظاہر جسم سے الگ ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

ماہرین اعصابیات کو پوری طرح یقین نہیں ہے کہ دماغ میں جسم کے اندر ہونے کا احساس کیسے بنتا ہے۔ دماغ ممکنہ طور پر جسمانی حسیات، جیسے توازن اور پوزیشن کو دیگر اندرونی عوامل، جیسے اپنی ذات اور خودمختاری کے احساس کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ جب اس جوڑ میں کوئی تبدیلی آتی ہے، تو انسان بہت عجیب و غریب احساسات سے گزرتا ہے۔

بعض اوقات، نیند کے دوران جسم سے ملنے والی حسیات کو سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے، جب آپ کا دماغ بیرونی دنیا سے رابطہ کاٹ لیتا ہے۔ ریپڈ آئی موومنٹ یا 'آر ای ایم' نیند کے دوران، جب سب سے واضح خواب آتے ہیں، تو دماغ ایسے پیغامات بھیجتا ہے جو ڈھانچے کے پٹھوں کی حرکت کو روک دیتے ہیں۔ یہ رکاوٹ آر ای ایم نیند کے دوران مکمل فالج کا باعث بنتی ہے۔ یہ ایک اعصابی تحفظ ہے، اس کے بغیر اس بات کا قوی امکان ہے کہ آپ اپنے خوابوں پر عملی طور پر حرکت کرنے لگیں۔ تاہم، کچھ لوگ آر ای ایم نیند کے دوران جاگ جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ حرکت نہیں کر سکتے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی دوران شدید قسم کے فریب نظر کا تجربہ بھی کریں، جو ان کے خواب کی باقیات ہوتے ہیں۔

یہ تجربہ جلد ہی گزر جاتا ہے۔ لیکن نیند کے فالج کے اس لمحے میں، ڈھانچے کے پٹھوں کی حرکت کو کنٹرول کرنے والے اعصابی سگنل رک جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں جسم سے دماغ کو ملنے والی معلومات میں ہم آہنگی نہیں رہتی۔ زیادہ تر لوگ غائب حسی معلومات پر خوف کے ساتھ ردعمل ظاہر کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے لیے اپنے خوابوں کے مناظر اور آوازوں کو حقیقت کے طور پر محسوس کرنے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔

بھوتوں سے جڑا تیسرا عنصر۔ شخصی خصلتیں

کسی مافوق الفطرت واقعے سے گزرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے تجربے کو اسی نام سے پکارے۔ مثال کے طور پر، اگر کوئی یقین رکھنے والا شخص تبدیل ہوتے ہوئے ای ایم ایف کی زد میں آ جائے، تو وہ اس عجیب احساس کو فوراً مافوق الفطرت قرار دے سکتا ہے۔ ایک شکی مزاج شخص یہ تو مان سکتا ہے کہ اسے کچھ عجیب یا مختلف محسوس ہوا، لیکن شاید وہ اس کی مافوق الفطرت تشریح کی طرف نہ جائے۔ تحقیق کا ایک بڑھتا ہوا سلسلہ یہ بتاتا ہے کہ خاص شخصی خصلتوں والے لوگوں میں مافوق الفطرت چیزوں پر یقین کرنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، کچھ لوگ لاشعوری احساسات اور خیالات کے بارے میں حد سے زیادہ باخبر ہوتے ہیں، جو پھر ان کے شعور میں سرایت کر جاتے ہیں۔ اکثر، یہ خصلتیں جادوئی سوچ، بگڑے ہوئے یا غیر معمولی خیالات، بے ترتیب رویے اور بعض اوقات قریبی تعلقات قائم کرنے میں دشواری سے جڑی ہوتی ہیں۔ ماہرین نفسیات ان خصلتوں کے مجموعے کو شیزوٹائپی کہتے ہیں۔ ان کا تعلق شیزوفرینیا سے ہے، حالاں کہ شیزوٹائپی کا زیادہ ہونا اس بات کی علامت نہیں ہے کہ آپ کو شیزوفرینیا کی بیماری تشخیص ہوگی۔

جن لوگوں میں شیزوٹائپی کی سطح زیادہ ہوتی ہے ان میں مافوق الفطرت چیزوں پر یقین کرنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ ان میں جسم سے الگ ہونے کے احساس اور اچانک حسیاتی تجربات سے گزرنے کا امکان بھی زیادہ ہوتا ہے اور انہیں اپنی ذات اور دوسروں کے درمیان فرق کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ تمام خصلتیں ٹیمپورو پیریٹل جنکشن کے افعال سے جڑی ہیں، جو دماغ کا وہ حصہ ہے جو آپ کو یہ احساس دلانے میں مدد کرتا ہے کہ آپ اپنے جسم کے اندر موجود ہیں۔

جب بھوتوں سے جڑے عوامل مل کر ایک بھوت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں

ہم بھوتوں کی کہانیوں کی طرف اس قدر کیوں راغب ہیں؟ اگرچہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ بھوتوں کا وجود ہے یا نہیں، لیکن میں ایک معقول وضاحت پیش کر سکتی ہوں کہ کیوں کچھ لوگ دوسروں کے مقابلے میں بظاہر مافوق الفطرت تجربات کا زیادہ شکار ہو سکتے ہیں۔

فرض کریں ایک ایسا شخص جو مافوق الفطرت چیزوں پر یقین رکھتا ہے، وہ برقی مقناطیسی میدان میں کسی قدرتی تبدیلی یا نیند کے فالج کے کسی واقعے سے گزرتا ہے۔ یہ تجربات ایسے غیر معمولی احساسات پیدا کرتے ہیں جن کی وہ شخص وضاحت نہیں کر پاتا۔ اس الجھن میں معنی تلاش کرتے ہوئے، یہ شخص اندرونی اور بیرونی طور پر پیدا ہونے والے احساسات کے درمیان فرق کو ملا دیتا ہے۔ وہ اسی واحد وضاحت پر قناعت کر لیتا ہے جو اس کی سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس نے جس عجیب و غریب احساس کا تجربہ کیا وہ ایک بھوت تھا۔

میرا اندازہ ہے کہ مافوق الفطرت چیزوں پر یقین ہی وہ کڑی ہے، جو بھوتوں سے جڑے عوامل کو آپس میں ملا کر بھوت کا غلط احساس پیدا کرتی ہے۔

ایک تجربے کے دوران شرکا کو الینوائے کے شہر ڈیکیٹر میں واقع ایک بند پڑے تھیٹر سے گزرنے کا کہا گیا۔ ان میں سے کچھ کو بتایا گیا کہ اس تھیٹر میں بھوتوں کا سایہ ہے اور کچھ کو ایسا کچھ نہیں بتایا گیا۔ کئی شرکا نے عجیب و غریب احساسات محسوس کیے، جنہیں انہوں نے مافوق الفطرت سرگرمی قرار دیا، لیکن صرف انہی لوگوں نے ایسے احساسات کی شکایت کی جنہیں یہ یقین تھا کہ تھیٹر میں بھوتوں کا سایہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ صرف یقین بذات خود کوئی بھوت پیدا نہ کرے، لیکن یقین کا کم از کم کسی ایک ایسے عنصر کے ساتھ مل جانا، جو بھوتوں سے جڑا ہو (جیسے ماحولیاتی محرکات، اعصابی گڑبڑ یا نفسیاتی کیفیات)، بھوت کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔

یہ مرغی اور انڈے والی پہیلی بن جاتی ہے یا اس معاملے میں بھوت اور ای ایم ایف کی۔ کوئی ایسا شخص جس کا ماحولیاتی عوامل کے تئیں زیادہ حساس ہونے کا امکان ہو یا جو نیند کے فالج سے گزرتا ہو، وہ اپنے تجربات کی بنیاد پر ایک پختہ یقین قائم کر سکتا ہے۔ جب کوئی شخص ان تجربات کی کوئی 'قدرتی' وضاحت نہیں کر پاتا، تو پھر کوئی مافوق الفطرت تشریح ہی اسے معقول معلوم ہوتی ہے۔

میں نے کبھی ای ایم ایف کو محسوس نہیں کیا۔ میں نے کبھی نیند کے فالج کا تجربہ نہیں کیا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مجھ میں شیزوٹائپی جیسی شخصی خصلتیں نہیں ہیں۔ میں مافوق الفطرت چیزوں پر یقین نہیں رکھتی اور مجھے نہیں لگتا کہ میں کبھی کوئی بھوت دیکھوں گی۔

(بقیہ: پاکستان کا میزائل پروگرام)

ڈاکٹر منصور کے مطابق 'انڈیا تقریباً ایک دہائی سے بھی زائد عرصے سے بلیسٹک میزائل سسٹم پر کام کر رہا ہے اور وہ نا صرف اس کے تجربات کرتے رہتے ہیں بلکہ عوامی سطح پر اس کے بارے میں بات بھی کرتے ہیں۔' انڈیا نے حال ہی میں پہلے ایم آر وی اگنی فائیو کا ایک سے زائد وار ہیڈز کے ساتھ تجربہ کیا۔ یہ انٹر کونٹیننٹل بیلسٹک میزائل ہے جس کی رینج کم از کم 5000-8000 کلومیٹر ہے اس کے مقابلے میں ابابیل کی رینج محض 2200 کلومیٹر ہے اور یہ پوری دنیا میں سب سے کم رینج تک مار کرنے والا ایم آر وی ہے۔ ڈاکٹر منصور بتاتے ہیں کہ ایسی غیر مصدقہ اطلاعات ہیں کہ انڈیا کا 'اگنی پی' بھی ایم آر وی ہے جس کی رینج 2000 کلومیٹر تک ہے۔

پاکستان کا شاہین تھری میزائل کیا ہے؟

ڈاکٹر منصور کہتے ہیں کہ 'ابابیل صرف اور صرف انڈیا کا مقابلہ کرنے کے لیے ڈیزائن کیا گیا لیکن امریکہ کو 2021 سے جس میزائل پر تشویش ہو رہی ہے وہ شاہین تھری میزائل ہے جس کی رینج 2740 کلومیٹر ہے۔' دراصل ابابیل شاہین تھری میزائل کی اگلی جنریشن ہے۔

ڈاکٹر منصور بتاتے ہیں کہ شاہین تھری کے تجربے کے وقت نیشنل کمانڈ اتھارٹی کے مشیر لیفٹیننٹ جنرل (ر) خالد احمد قدوائی نے ایک بیان میں کہا تھا کہ 'یہ میزائل صرف اور صرف انڈیا کا مقابلہ کرنے کے لیے بنایا گیا اور اس کا مقصد انڈیا میں اہم سٹریٹجک اہداف (خاص طور پر انڈمان اور نکوبار جزیروں اور مشرق میں وہ مقامات جہاں ان کی نیوکلیئر سب میرین بیسز تعمیر کی جا رہی ہیں) کو نشانہ بنانا ہے تاکہ انڈیا کو چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہ مل سکے اور یہ غلط فہمی نہ رہے کہ انڈیا میں ایسی جگہیں ہیں جہاں وہ کاؤنٹر یا پہلی سٹرائیک کے لیے اپنے سسٹم چھپا سکتے ہیں اور پاکستان ان مقامات کو نشانہ نہیں بنا سکتا۔'

ڈاکٹر منصور کے مطابق انڈیا کے وزیر دفاع رجنات سنگھ سمیت انڈین عہدیدار کئی مواقع پر ایسے بیانات دیتے آئے ہیں جن میں یہ اشارہ دیا گیا کہ 'انڈیا نے ایسی صلاحیتیں حاصل کر لی ہیں جو اسے پاکستان کے خلاف قبل از وقت حملہ کرنے کے قابل بناتی ہیں۔' وہ سپر سونک براہموس میزائل کی مثال دیتے ہیں جو روایتی کے ساتھ نیوکلیئر ہتھیار بھی ہے اور اس کے علاوہ انڈیا بہت سے ایسے سسٹم بنا رہا ہے جو پہلی سٹرائیک کے لیے زمین، فضا اور سمندر سے بھی لانچ ہو سکتے ہیں۔

یاد رہے سنہ 2022 میں ایک براہموس میزائل پاکستان میں آ گرا تھا جس کے بارے میں انڈین وزارت دفاع کی جانب سے کہا گیا تھا کہ پاکستان کی حدود میں گرنے والا براہموس میزائل حادثاتی طور پر انڈیا سے فائر ہوا تھا۔

ڈاکٹر منصور کا کہنا ہے کہ 'انڈیا براہموس کو پاکستانی سٹریٹجک فورسز اور کمانڈ اینڈ کنٹرول کے خلاف روایتی کاؤنٹر فورس (پہلی) سٹرائیک کے لیے استعمال کر سکتا ہے اور پھر انڈیا یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہم نے تو محض روایتی حملہ کیا لیکن اس طرح کی روایتی سٹرائیک کو پاکستان کی طرف سے پہلا جوہری حملہ تصور کیا جائے گا۔' ان کا ماننا ہے کہ 'یہ وہ ساری صورتحال ہیں جن میں کسی بھی حملے کو روکنے کے لیے پاکستان کو تیار رہنا ہے اور یہ اسی صورت ممکن ہے اگر پاکستان دشمن کو دکھانے کے لیے اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرتا رہے۔ اور اسی مقصد سے پاکستان نے شاہین تھری اور ابابیل جیسے نیوکلیئر وار ہیڈز بنائے ہیں اور ان کی نمائش کی ہے۔'

☆......☆

(بقیہ: دنیا کو ایک ارب بیرل سے زائد تیل کی قلت کا سامنا)

یہ بھی واضح رہے کہ گلوبلائزیشن سے یہ پسپائی ایران پر امریکہ اور اسرائیل کے حملوں سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی۔ امریکہ اور چین کے درمیان بڑھتی کشیدگی، یوکرین کے خلاف روس کی جنگ اور ڈونلڈ ٹرمپ کی جانب سے دنیا کے مختلف ممالک، بشمول امریکہ کے قریبی اتحادیوں، کے ساتھ تجارتی تنازعات اس عمل کے اہم اسباب میں شامل ہیں۔

اس کے نتیجے میں عالمی سطح پر اخراجات میں اضافہ ہو رہا ہے، اور امریکی ماہر معاشیات اور نوبیل انعام یافتہ پال کروگمین کے مطابق دنیا کا سب سے بڑا تیل و گیس پیدا کرنے والا ملک ہونے کے باوجود امریکہ بھی اب اپنی موجودہ پالیسی کو برقرار رکھنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے رواں ہفتے اپنے بلاگ میں لکھا کہ 'وقت ہمارے حق میں نہیں ہے۔' پال کروگمین نے مزید کہا کہ 'دنیا کے سٹریٹجک تیل کے ذخائر ختم ہونے کے قریب ہیں، جبکہ ہمارے اہم ذخائر بھی دباؤ کا شکار ہیں۔ اتحادیوں کی حمایت اور امریکی عوامی رائے بھی کمزور پڑ چکی ہے۔ یہ تمام عوامل اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس جنگ کو جلد از جلد ختم کرنا ناگزیر ہے۔'

☆......☆

(بقیہ: آبنائے ہرمز پر پاکستانی ملاحوں نے کیا دیکھا)

ان کے بقول انھیں یہ خدشہ بھی ہے کہ مستقبل کے تنازعات میں بین الاقوامی آبی گزرگاہوں تک رسائی کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ دوسری جانب آئل ٹینکر پر باورچی کے فرائض انجام دینے والے پاکستانی ملاح ساجد مسعود (فرضی نام) بھی سمندری زندگی جاری رکھنے کے حوالے سے تذبذب کا شکار ہیں، حالانکہ ان کے معاہدے میں صرف ایک ماہ باقی رہ گیا ہے۔ تاہم کسی حتمی فیصلے سے پہلے ان کی سب سے بڑی خواہش اپنے وطن پاکستان واپس لوٹنا ہے، جہاں وہ اپنے اہل خانہ کے لیے دبئی سے خریدے گئے تحائف لے جانا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی بیٹیوں کے لیے باربی ڈولز اور بیٹے کے لیے ایک کھلونا ہوائی جہاز خرید چکے ہیں۔

ساجد مسعود کہتے ہیں کہ 'میں سمجھتا تھا کہ جلد گھر پہنچ جاؤں گا، لیکن اب بھی ہم آبنائے ہرمز کے قریب پھنسے ہوئے ہیں اور مستقبل کے حوالے سے کوئی واضح منصوبہ نہیں ہے۔' انھوں نے مزید کہا کہ 'میرے گھر والے روز پوچھتے ہیں کہ میں کب واپس آؤں گا، لیکن میرے پاس ان کے لیے کوئی جواب نہیں۔' راشد الحسن بنگلار جوئی جاترا کے ڈیک پر سیاہ چشمہ پہنے کھڑے ہیں۔

بحری نقل و حمل کے اعداد و شمار فراہم کرنے والی کمپنی کیپلر کے مطابق 28 فروری سے اب تک تقریباً 750 جہاز آبنائے ہرمز سے گزرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ امریکی دارالحکومت واشنگٹن میں قائم تحقیقی ادارے سی این اے سے وابستہ ماہر جوناتھن شروڈن کے مطابق ان جہازوں کے مالکان نے غالباً ایران کے ساتھ براہ راست بین الاقوامی سفارتی رابطوں کا سہارا لیا۔ ان کے بقول زیادہ تر ایسے جہاز چین، انڈیا اور پاکستان سے تعلق رکھتے تھے۔

ڈاکٹر جوناتھن شروڈن نے مزید کہا کہ بظاہر ان جہازوں کو گزرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے 'فی جہاز کئی ملین ڈالر' فیس بھی ادا کرنا پڑی۔ اس صورتحال میں بنگلار جوئے جاترا نامی جہاز کی سب سے بڑی امید بھی سفارتی کوششیں ہی ہیں۔ بنگلہ دیشی حکومت اور جہاز کی مالک کمپنی بنگلہ دیش شپنگ کارپوریشن مشترکہ طور پر جہاز کو محفوظ راستہ دلانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ تاہم یہ عمل بھی آسان ثابت نہیں ہوا۔

کمپنی کے مینیجنگ ڈائریکٹر محمود الملک نے بتایا کہ بنگلہ دیش ابتدا میں ایران کی جانب سے طلب کردہ ٹول یا فیس ادا کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا، لیکن بعد ازاں یہ منصوبہ ترک کر دیا گیا۔ ان کے مطابق اس کی وجہ امریکہ کی جانب سے دی گئی وہ وارننگ تھی جس میں کہا گیا تھا کہ ایران کو ایسی ادائیگی کرنے والے کسی بھی ملک پر پابندیاں عائد کی جا سکتی ہیں۔ محمود الملک نے صورتحال کی سنگینی بیان کرتے ہوئے کہا کہ 'ہم اس وقت دوہرے بحران کا سامنا کر رہے ہیں۔'

☆......☆

(بقیہ: دی گریٹ گاما پہلوان)

'اگرچہ گاما مقررہ وقت پر سٹیڈیم پہنچ گئے، زبسکو کا کہیں پتا نہ تھا۔ چنانچہ گاما کو فاتح قرار دے دیا گیا اور انھیں 250 پاؤنڈ انعام دیا گیا۔ رکن پارلیمنٹ ہوریشیو بوٹملی نے انھیں جان بُل طلائی بیلٹ بھی پیش کی جو رستم زمانی کی سند قرار دی جا چکی تھی۔' گاما اور ان کے ساتھی پٹیالہ کے راجا بھوپندر سنگھ کے پاس 1912 میں ملازم ہو گئے۔ ان کی تنخواہ 500 روپے ماہانہ مقرر ہوئی اور دیگر پہلوانوں کی سو روپے سے تین روپے تک۔

اٹھارہ سال بعد زبسکو کی پھر للکار

پٹیالے ہی میں زبسکو کی شکست کے 18 سال بعد ان ہی کے چیلنج پر مقابلے کا دوبارہ اہتمام کیا گیا۔ اس مقابلے کے لیے تعمیر کیے گئے سٹیڈیم میں، تب کے اخبار ہندوستان ٹائمز کے مطابق 'ایک لاکھ سے زیادہ لوگ' نعرے لگا رہے تھے۔ جوزف آلٹر نے اپنی کتاب 'گاندھیز باڈی' کے ایک باب 'گاما دی گریٹ' میں لکھا کہ مقابلہ چار بجے شروع ہونا تھا، لیکن زبسکو کے دیر سے پہنچنے کے باعث سوا چار بجے شروع ہوا۔

'آغاز ہوا ہی تھا کہ گاما نے تین سو پاؤنڈ وزنی پولش پہلوان کی ایک ٹانگ پکڑی اور دوسری کو اکھیڑ لگا دی۔ لمحوں میں زبسکو و زمین پر چت پڑے تھے۔' اپنی کتاب 'نیشن ایٹ پلے: اے ہسٹری آف اسپورٹ ان انڈیا' میں رونوجوئے سین لکھتے ہیں کہ 'گاما شیر کی مانند جھپٹے اور صرف 30 سیکنڈ میں زبسکو کو زمین پر گرا دیا۔' 'چاروں طرف زوردار اور مسلسل نعروں کی گونج تھی۔ گاما آدھ منٹ زبسکو کے اوپر بیٹھے رہے جب ریفری نے انھیں فاتح اور عالمی چیمپئن قرار دے دیا۔' آلٹر کے مطابق 'پٹیالہ کے مہاراجا نے گاما کو گلے لگا لیا اور قیمتی موتیوں کا ایک ہار اپنے گلے سے اتار کر انھیں پہنایا۔' ایک جلوس کا اہتمام کیا گیا جس کے قائد مہاراجا کے ہاتھی پر سوار گاما تھے۔ انھیں ایک چاندی کا گُرز، چھ ہزار روپے سالانہ وظیفہ اور ایک گاؤں انعام میں دیے گئے۔ اخبارات میں گاما کی دھوم تھی۔ زبسکو کے یہ الفاظ چھپے کہ 'گاما آپ واقعی شیر ہیں۔'

گاما کے رستم زمان کے خطاب کی توثیق کرتا یہ مقابلہ غیر متوقع حد تک مختصر ثابت ہوا تھا۔ فن پہلوانی کے مورخ اختر حسین شیخ کے مطابق خود گاما کہا کرتے تھے کہ 'جس نے گھڑی دیکھی، وہ کشتی نہ دیکھ سکا، جس نے سگریٹ سلگایا، وہ بھی کشتی نہ دیکھ سکا۔' سین نے لکھا کہ منتظمین نے برقی قمقمے اور سرچ لائٹ نصب کر رکھے تھے کہ اگر مقابلہ 1910 کے لندن مقابلے کی طرح دو گھنٹے سے زائد جاری رہا تو روشنی کی ضرورت پڑے گی۔

پیٹرسن کی شکست

پٹیالہ مقابلے کے بعد جیس پیٹرسن، جو خود کو دنیا کے تمام چیمپئنز کے چیمپئن کہتے تھے، نے 'ٹائمز آف انڈیا' کے مدیر کے نام خط لکھ کر گاما کو چیلنج کیا۔ پیرس میں مقیم پیٹرسن کا دعویٰ تھا کہ وہ زبسکو کو تین مرتبہ شکست دے چکے ہیں اور انھوں نے مہاراجا سے مقابلے کا انتظام کرنے کی اپیل کی۔ یہ مقابلہ 1929 کے اوائل میں پٹیالہ میں 10,000 تماشائیوں اور پٹیالے اور اس کی قریبی ریاستوں کی شاہی شخصیات کے سامنے ہوا، تو گاما نے آسانی سے کامیابی حاصل کی۔ اس نوعیت کے چیلنجز بیرون اور اندرون ملک سے گاما کے پاس آتے رہے لیکن گاما ناقابل شکست رہے۔ یکم اپریل 1912 کو شاہی قلعہ کے سامنے منٹو پارک میں گاما اور بدھو برہمن کا مقابلہ ہوا۔ اختر شیخ لکھتے ہیں کہ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالتے ہی گاما نے 'اکھرا پٹ' کھینچ لیا اور اڑنگا لگا کر حریف کو نیچے رکھ لیا۔ پھر گردن پر ہاتھ رکھ کر بدھو کی قلابازی لگوا دی۔ اساتذہ اسے یوں بیان کرتے ہیں کہ گامے نے آگے رکھا، کنڈا ڈالا اور سیدھا کر دیا۔' برکت علی بتاتے ہیں کہ بچپن سے پینسٹھ سال کی عمر میں گاما نے کچھ ورزشوں میں تھوڑی سی کمی کی۔ لکھنوی کے مطابق جیکو فوڈ نے 1940 میں مانچسٹر گارڈین میں لکھا کہ گاما موجودہ وقت کا سب سے بڑا پہلوان ہے۔ تب گاما کی عمر ساٹھ سال تھی۔

'وہ تین ہزار کشتیاں لڑ چکے ہیں لیکن کبھی شکست نہیں کھائی۔' گاما کچھ عرصہ لاہور اور کچھ پٹیالے میں رہتے تھے۔ سنہ 1947 میں برصغیر تقسیم ہوا تو گاما پٹیالے سے لاہور آ گئے۔ شیخ کے مطابق گاما کے ساتھ ان کے بھائی امام بخش اور بھتیجے بھولو برادران نے بھی لاہور ہی میں قیام کیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بھائی امام بخش گاما کی رستم زمانی کے محافظ بن گئے۔ گاما لاہور آ گئے تو ان کا مکان کیسر سنگھ پہلوان کو ملا جو بعد میں رستم انڈیا ہوئے۔

گاما کے آخری سال

گاما اور فہیم الدین فہمی کے نانا کریم بخش میں دوستی تھی۔ لڑکپن کے بعد ان کی گاما سے ملاقات کراچی میں ہوئی جہاں انھوں نے ٹرانسپورٹ سروس شروع کی تھی جس کے لیے انھوں نے فہمی کو مینیجر رکھ لیا۔ فہمی لکھتے ہیں کہ 'بعض لوگ کہتے ہیں ان کا نام غلام محمد تھا، بعض کا خیال ہے غلام بخش، مگر ان کا نام غلام حسین تھا۔' 'جن دنوں انھوں نے ٹرانسپورٹ کے کاروبار کے لیے ریفیوجی ری ہیبلیٹیشن فائنانس کارپوریشن سے دس ہزار روپے قرض لیا تو تمام کاغذات پر غلام حسین عرف گاما' کے نام کا اندراج ہوا تھا۔' لیکن 1954 میں انھیں ہائی بلڈ پریشر کی شکایت ہو گئی۔ کراچی کا کاروبار ختم کر کے لاہور لوٹ گئے اور فہمی کو بھی ساتھ لے گئے۔ گاما فہمی کو پیار سے پچا کہتے تھے۔ دل کا پہلا دورہ پڑنے سے قبل آخری بار دنیا کے تمام پہلوانوں کو کشتی کا عام چیلنج لاہور ہی سے کیا تھا۔ فہمی نے گاما پہلوان کے ساتھ لاہور ہی میں رہتے ہوئے ان کی سوانح حیات مکمل کی۔

'کچی پاس، پکی فیل' لیکن شعر و ادب سے دلچسپی

فہمی کے مطابق وہ اکثر بڑے شوخ اور فخریہ لہجے میں کہتے کہ وہ 'کچی پاس، پکی فیل' ہیں لیکن اردو بولتے تو نستعلیق، پنجابی بولتے تو ٹھیٹھ۔ خود گاما کے مطابق چار ماہ لندن میں رہنے سے انگریزی زبان میں کچھ سوجھ بوجھ پیدا ہو گئی تھی۔ 'اگر آج شعر و شاعری کی محفل گرم ہے تو کل کسی اچھے افسانہ نگار کا افسانہ مزے لے لے کر سنا جا رہا ہے۔ کبھی اقبال کی بانگ درا کا دور ہے تو کبھی دیوان بیدم کا۔' ہندی شعرا کے دوہے بھی انھیں یاد تھے۔ فہمی کے مطابق میں جب تک رستم زماں کے ساتھ رہا وہ چار بجے صبح اٹھنے کے عادی تھے۔ موسم کیسا بھی ہو، جسم پر صرف ایک لنگوٹ میں اکھاڑے پہنچ جاتے، ریاض سے فارغ ہو کر تازہ پانی سے غسل کرتے اور پھر کسی کام پر توجہ دیتے۔ لکھنوی لکھتے ہیں کہ بعد کو راوی کے کنارے ایک پھوس کا بنگلہ ڈلوایا تھا۔ ٹھنڈے وقت ایک سایہ دار درخت کے نیچے لیٹے رہتے تھے۔ لیکن پھر اے پی راجپوت، جو لاہور جا کر بیمار گاما سے ملے، نے انگریزی ہفتہ وار 'السٹریٹڈ ویکلی، بمبئی' کے 7 فروری 1960 کے پرچے میں لکھا کہ فن کشتی کی دنیا بھر کی نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی شمع آخری ہچکیاں لے رہی ہے۔ گاما کی علالت کی خبر سن کر زبسکو نے عیادت کا خط لکھا۔ انھوں نے لکھا 'میں نے ہزاروں شہ زوروں سے معرکے کیے لیکن جس آسانی سے گاما نے مجھے معذور کیا ایسا کوئی نہ کر سکا۔' گاما نے جواباً عیادت کا شکریہ ادا کیا۔

گاما کا کلثوم نواز سے کیا رشتہ تھا؟

گاما کی پہلی بیوی کی وفات کے بعد دوسری بیوی وزیر بیگم سے پانچ بیٹے پیدا ہوئے، زندہ ایک بھی نہ بچا۔ چار بیٹیاں تھیں۔ گاما کی ایک بیٹی رضیہ بیگم کی شادی ڈاکٹر محمد حفیظ سے ہوئی۔ ان کی بیٹی، یعنی گاما کی نواسی کلثوم کی شادی سابق وزیر اعظم نواز شریف سے ہوئی۔ اختر شیخ لکھتے ہیں کہ 22 مئی 1960 کو بیگم گاما کو راوی پار والے باغ جانا پڑا۔ گاما کے پاس ان کی بیٹی کیتی آرا موجود تھیں۔ ان سے وعدہ لیا کہ ان کے بعد ماں کا خیال رکھیں گی اور ان کے سامنے آنسو نہیں بہائیں گی۔ گاما نے ہاتھ اٹھا کر انھیں دعا دی۔

دو لڈو کھائے

اتنی دیر میں وزیر بیگم بھی آ گئیں۔ گاما نے کہا بڑا لمبا سفر ہے نہا دھو لینا چاہیے۔ گاما نے غسل کیا، اہلخانہ کی مدد سے کپڑے بدلے، لنگوٹ بطور خاص تبدیل کیا (وہ ہر وقت لنگوٹ پہنے رہتے تھے)۔ کیتی آرا نے بالوں میں کنگھی کی۔ دوائیں بند کرنے کا کہا اور دو لڈو بڑی رغبت سے کھائے۔ 23 مئی 1960 کو گاما نے معمول کے مطابق فجر کی اذان سے پہلے اٹھ کر غٹا غٹ پانی پیا۔ پھر بیٹی سے کہا کہ 'اب جا کر سو جاؤ، میں مزید کسی کو بے آرام نہیں کروں گا۔' یہ رستم زماں کے آخری الفاظ تھے۔ تین بار لمبی لمبی سانس لی۔ وزیر بیگم اچانک قریب آ گئیں۔ کہا کہ اگر تکلیف محسوس ہو رہی ہے تو چت لیٹ جائیں۔

یہ اس شخص کو چت لیٹنے کا مشورہ تھا جس نے کبھی چت ہونا سیکھا ہی نہ تھا مگر اب وہ ایسا چت ہوا کہ پھر کبھی نہ اٹھ سکا۔

لاہور، دربار پیر مکی کے قریب ایک چھوٹے سے قبرستان میں غلام حسین عرف گاما نون والا، رستم زماں زیرِ زمین ہے۔ ایک طرف شیر ببر امام بخش رستم ہے تو دوسری طرف حمیدا رحمانی والا رستم ہند۔ قریب ہی گاما کلو والا کی قبر بھی ہے۔ گاما کلو والا ہی وہ گاما ہیں جن کا اصل نام غلام محمد تھا۔ سنہ 1879 میں پیدا ہونے والے زبسکو گاما کے لگ بھگ ہم عمر ہی تھے لیکن ان کی وفات 1967 میں ہوئی، گاما کی وفات سے سات سال بعد۔

☆......☆

(بقیہ: نیتن یاہو اور ٹرمپ)

تیسرا آپشن: خفیہ جنگ کی طرف واپسی

اگر نئے معاہدے کے تحت اسرائیل کو براہ راست فوجی کارروائی سے روکا گیا تو وہ ایک نئی حکمت عملی اختیار کر سکتا ہے، یعنی 'لڑائی کے اندر لڑائی' کا طریقہ کار جس میں سائبر کارروائیاں، سبوتاژ اور ماضی کی طرح اہداف کا قتل شامل ہو سکتا ہے۔ اسرائیل حالیہ برسوں میں ایران کے خلاف اس نوعیت کی کارروائیاں کرتا رہا ہے تو اس کے پاس پھر یہی آپشن ہوگا کہ وہ انھیں آگے بڑھائے۔

بعض اسرائیلی سکیورٹی حلقوں میں یہ بات چیت بھی ہو رہی ہے کہ بات صرف ایران کے جوہری پروگرام کو محدود کرنے تک نہ چھوڑی جائے۔ اسرائیلی میڈیا گروپ کی ویب سائٹ وائی نیٹ نے 22 مارچ کو رپورٹ کیا تھا کہ موساد کے سربراہ ڈیوڈ بارنیا نے نیتن یاہو کو جنگ سے پہلے کا اندازہ دیا تھا کہ اسرائیل ایران میں اندرونی بدامنی کو ہوا دینے میں مدد کر سکتا ہے۔ تاہم رپورٹ میں اس بات پر زور دیا گیا کہ حملوں اور خفیہ کارروائیوں کے باوجود بڑے پیمانے پر بدامنی نہیں ہوئی اور بعض امریکی حکام اور اسرائیلی انٹیلی جنس تجزیہ کار شروع سے ہی اس مفروضے پر شکوک و شبہات کا شکار تھے۔

میڈیا رپورٹس سے پتہ چلتا ہے کہ اسرائیلی سکیورٹی اسٹیبلشمنٹ کے کچھ عہدیداروں کا خیال ہے کہ بیرونی دباؤ اور اندرونی خلفشار کا امتزاج اسلامی جمہوریہ کی پوزیشن کو کمزور کر سکتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی بھی معاہدہ جو اسرائیل کو پسند نہ آیا تو وہ دوبارہ ایران کے اندر کی صورتحال اور بیرونی دباؤ کو اس کے خلاف استعمال کر سکتا ہے۔ بعض ماہرین بشمول راض زمیت کہتے ہیں اُن ابتدائی اندازوں کے ایران کا اندرونی نظام بہت جلد ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو سکتا ہے کے برعکس ایران نے ثابت کیا ہے کہ اس کا انتظامی ڈھانچہ بڑے دھچکے سہنے اور اندرونی خلفشار کے باوجود برقرار ہے اور مذاکرات کے دوران بھی اپنے موقف پر ڈٹا ہوا ہے۔

اسرائیل انسٹی ٹیوٹ فار نیشنل سکیورٹی سٹڈیز سے منسلک مبصر زمیت لکھتے ہیں کہ سنہ 2015 کے جوہری مذاکرات کی طرح اس مرتبہ بھی ایران کی سخت گیر قیادت کسی بھی معاہدے کی راہ میں رکاوٹیں ڈال رہی ہے۔ اُن کے بقول ایرانی حکومت کے کچھ رہنما اور حتیٰ کے پاسداران انقلاب کے کچھ لیڈرز بھی امریکہ کے ساتھ کسی سمجھوتے کے حق میں ہیں۔

زمیت کہتے ہیں کہ فریقین اس وقت اپنی مرضی کا بیانیہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن بہرحال انھیں کسی نہ کسی طور پر لچک دکھانا ہوگی۔ امریکہ کی نارتھ ایسٹرن یونیورسٹی میں پولیٹیکل سائنس کے پروفیسر میکس ابراہمس نے بی بی سی فارسی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ بعض دعووں کے برعکس اسرائیل نے حالیہ جنگ میں یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ بالآخر ٹرمپ کے فیصلوں کی پاسداری کرے گا۔

اُن کا کہنا تھا کہ جب ٹرمپ نے نیتن یاہو سے کہا کہ وہ ایران پر حملے بند کر دیں تو 'اسرائیلی جنگجو فوراً واپس لوٹ گئے۔' ابراہمس کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ یہ توقع نہیں رکھتے کہ نیتن یاہو ٹرمپ کی خواہشات کی نفی کریں گے اور ایران کے اندر مکمل جنگ شروع کریں گے۔ اُن کے بقول لبنان میں کوئی بھی ممکنہ اسرائیلی کارروائی ایران پر حملوں سے کہیں کم مہنگی ہوگی۔ اس کے نتیجے میں امکان ہے کہ نیتن یاہو معاہدے کو کمزور کرنے کی اپنی کوششیں تیز کر دیں گے۔ یہ تنقید ظاہر کرتی ہے کہ اسرائیل میں بحث صرف معاہدے کے مستقبل تک محدود نہیں رہی بلکہ نیتن یاہو کی ذمہ داری اور جنگ کے نتائج پر بھی سوال اٹھائے جا رہے ہیں۔

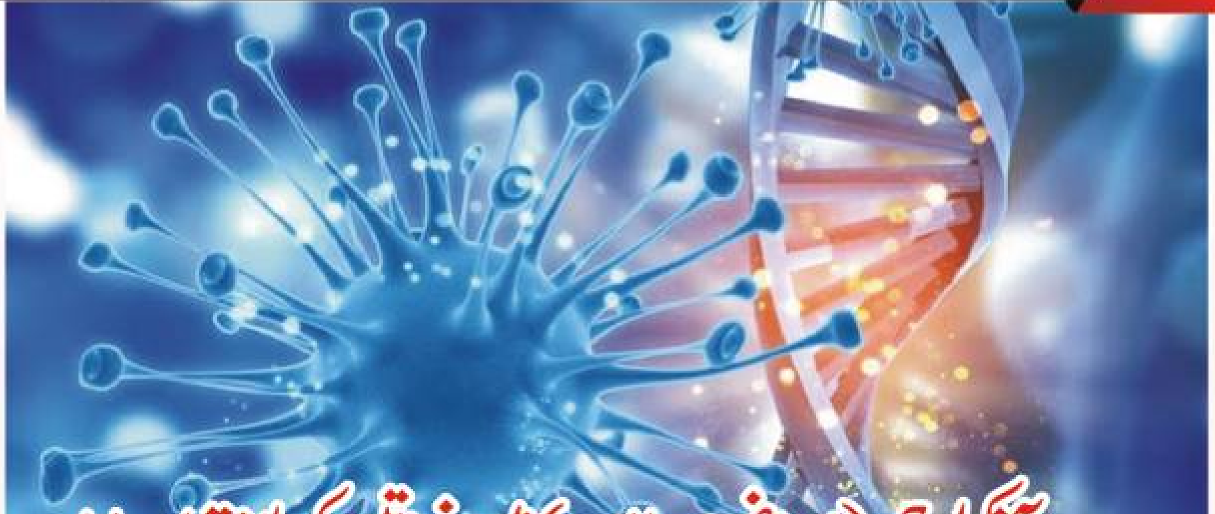

آنکولوجی (امراضِ سرطان) میں خواتین کو بااختیار بنانا
ایک طویل عرصے سے ادھوری گفتگو

آنکولوجی میں کام کرنے والی خواتین، خواہ وہ پاکستان میں ہوں یا کہیں اور، اکثر ایسے ماحول میں کام کرتی ہیں جہاں اب بھی مردوں کا غلبہ ہے۔

......میگزین رپورٹ......

چند ہفتے قبل جنوری میں، مجھے 'پاکستان سوسائٹی آف کلینیکل آنکولوجی' (PSCO) کے زیرِ اہتمام منعقدہ ONCO 2026 کانفرنس میں آنکولوجی کے شعبے میں خواتین کو بااختیار بنانے کے ایک سیشن کا افتتاح کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ برطانیہ میں مقیم ایک آنکولوجسٹ کی حیثیت سے، جس نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا بیشتر حصہ پاکستان سے باہر (عمان اور برطانیہ) میں گزارا ہے، اس دعوت نے مجھے فخر کے احساس سے تو بھر دیا، لیکن ساتھ ہی مجھے غور و فکر پر بھی مجبور کیا۔ میں خود سے پوچھنے لگی کہ کیا میں واقعی پاکستان کے ہیلتھ کیئر سسٹم میں کام کرنے والی خواتین آنکولوجسٹس کے درپیش حقائق اور مشکلات کو درست طور پر سمجھتی ہوں؟

میری گفتگو کانفرنس کے تیسرے دن طے تھی، جس کی وجہ سے مجھے پورے ایونٹ کے دوران اپنے ساتھیوں کے ساتھ بات چیت کرنے کا کافی وقت مل گیا۔ وہ گفتگو اس پورے

تجربے کا سب سے قیمتی حصہ ثابت ہوئی۔ ملک بھر سے آئے ہوئے ساتھی آنکولوجسٹس سے بات کرتے ہوئے مجھے اندازہ ہوا کہ ہیلتھ کیئر سسٹمز اور وسائل کے فرق کے باوجود، طب کے شعبے میں خواتین کو درپیش بہت سے چیلنجز دنیا بھر میں حیرت انگیز طور پر ایک جیسے ہی ہیں۔

آنکولوجی میں کام کرنے والی خواتین، خواہ وہ پاکستان میں ہوں یا کہیں اور، اکثر ایسے ماحول میں کام کرتی ہیں جہاں اب بھی مردوں کا غلبہ ہے۔ بہت سی خواتین طبی کام، تحقیق اور قائدانہ ذمہ داریوں کے ساتھ خاندانی زندگی کو متوازن رکھنے کے لیے جدوجہد کرتی ہیں۔ زچگی کی چھٹی (leavematernity)، بچوں کی دیکھ بھال، کام اور زندگی میں توازن، اور قیادت یا رہنمائی (mentorship) کے کرداروں تک محدود رسائی جیسے مسائل خواتین کی کیریئرز میں ترقی کو مسلسل متاثر کر رہے ہیں۔ کام کی جگہ پر ہراسانی اور صنفی امتیاز، اگرچہ اب ان کا اعتراف کیا جانے لگا ہے، لیکن بہت سے پیشہ ورانہ ماحول میں یہ اب بھی ایسی تلخ سچائیاں ہیں جن پر شاید ہی کبھی کھل کر بات کی جاتی ہے۔

یہ وہ گفتگو ہے جو طب کے شعبے سے وابستہ بہت سی خواتین برسوں سے نجی طور پر ایک دوسرے سے کرتی آئی ہیں۔ ONCO 2026 کے اس سیشن کی اہمیت یہ تھی کہ اس نے ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کیا جہاں ان مسائل پر کھل کر بحث کی جا سکی۔

اس کانفرنس میں PSCO نے باضابطہ طور پر "ویمن فار آنکولوجی" (OncologyforWomen) نامی اقدام کا افتتاح کیا، جو اس شعبے میں خواتین کو بااختیار بنانے، قیادت کی حوصلہ افزائی کرنے، اور نیٹ ورکنگ اور رہنمائی کے ذریعے پیشہ ورانہ ترقی کو فروغ دینے کا ایک پلیٹ فارم ہے۔

یہ اقدام آنکولوجی کی تحقیق اور طبی تعلیم میں خواتین کی بڑھتی ہوئی موجودگی اور اثر و رسوخ کی عکاسی کرتا ہے، جبکہ اس بات کا اعتراف بھی کرتا ہے کہ اس پیشے میں یکساں مواقع کو یقینی بنانے کے لیے ابھی بھی بہت سی خامیاں موجود ہیں۔

بہت سی خواتین طبی کام، تحقیق اور قائدانہ ذمہ داریوں کے ساتھ خاندانی زندگی کو متوازن رکھنے کے لیے جدوجہد کرتی ہیں۔

افتتاحی سیشن میں سائنسی پریزنٹیشنز کے ساتھ ایک دستاویزی فلم (documentary) بھی دکھائی گئی جس میں کینسر کی دیکھ بھال میں خواتین کے اہم کردار کو اجاگر کیا گیا — مریضوں کے علاج کے فرنٹ لائن کام سے لے کر تعلیمی تحقیق اور مریضوں کی وکالت (patient advocacy) تک۔ اس تقریب میں 'سروس ایوارڈ' بھی پیش کیا گیا، جس کا مقصد ان مایہ ناز شخصیات کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرنا تھا جنہوں نے پاکستان میں آنکولوجی کو فروغ دینے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

یہ اقدام 'پاکستان سوسائٹی آف کلینیکل آنکولوجی' کے صدر، ڈاکٹر اظہر رشید کے وژن کی بھی عکاسی کرتا ہے، جن کی قیادت اور آنکولوجی میں صنفی برابری پر گفتگو کے لیے جگہ پیدا کرنے کی حوصلہ افزائی مخلصانہ تعریف کی مستحق ہے۔

تاہم، رسمی پروگرام سے ہٹ کر، ان مباحثوں نے ایک اور اہم ترین بات کو اجاگر کیا: وہ ذمہ داری جو ہم بطور سینئر پروفیشنلز شیئر کرتے ہیں۔

خواتین کو بااختیار بنانا صرف کانفرنسوں یا پینل مباحثوں تک محدود نہیں رہنا چاہیے۔ اسے ڈاکٹروں کی اگلی نسل کے لیے عملی اور بامعنی مدد میں تبدیل ہونا چاہیے۔ آنکولوجی میں سینئر خواتین ہونے کے ناطے، ہمیں اپنی جونیئر ساتھیوں — خصوصاً خواتین کی فعال طور پر رہنمائی کرنی چاہیے اور ان کے لیے قائدانہ صلاحیتیں پیدا کرنے، تحقیق میں حصہ لینے اور پیشہ ورانہ طور پر آگے بڑھنے کے مواقع پیدا کرنے چاہئیں۔

اسی طرح، بہت سے نوجوان ڈاکٹروں کے ذاتی حقائق کو سمجھنا بھی انتہائی اہم ہے۔ حمل، ابتدائی ممتا، اور بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داریاں اکثر میڈیکل ٹریننگ کے سب سے مشکل مراحل کے ساتھ ہی پیش آتی ہیں۔ ایسے ممالک میں جہاں ادارہ جاتی امدادی ڈھانچے (institutional structuressupport) محدود ہو سکتے ہیں، وہاں ساتھی اور اساتذہ یہ یقینی بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں کہ باصلاحیت پروفیشنلز کیریئر اور فیملی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے پر مجبور نہ ہوں۔

ماؤں کی کام پر واپسی میں مدد کرنا، نوجوان خاندانوں کو درپیش چیلنجز کو تسلیم کرنا، اور لچکدار پیشہ ورانہ ماحول پیدا کرنا کوئی خیرات نہیں ہے، بلکہ یہ صحت کے شعبے کے مستقبل میں ایک سرمایہ کاری ہے۔

آنکولوجی میں کام کرنے والی خواتین کو اکثر "سپر ویمن" کہا جاتا ہے جو بیک وقت طویل کلینیکل اوقات، تعلیمی ذمہ داریوں اور خاندانی وعدوں کو نبھاتی ہیں۔ اگرچہ اس تعریف میں کچھ سچائی ہے، لیکن یہ تسلیم کرنا بھی ضروری ہے کہ ہم، سب سے بڑھ کر، انسان ہیں۔ ہمیں ایسے سسٹمز کی ضرورت ہے جو اس حقیقت کو تسلیم کریں اور اسی کے مطابق ہماری مدد کریں۔

کانفرنس کا میرا سب سے یادگار لمحہ سیشن ختم ہونے کے بعد آیا۔ ایک جونیئر ٹرینی خاموشی سے میرے پاس آئی، میرا ہاتھ تھاما اور کہا: "آپ نے وہ بات کہہ دی جو ہم میں سے بہت سی خواتین کہنے کی ہمت نہیں رکھتی تھیں۔" اس مختصر لیکن پُر اثر گفتگو نے مجھے یاد دلایا کہ یہ بحث کیوں ضروری ہے۔ بعض اوقات صرف ایک ایسی جگہ بنانا جہاں لوگ یہ محسوس کریں کہ انہیں سنا جا رہا ہے، مثبت تبدیلی کی طرف پہلا قدم ہو سکتا ہے۔

آنکولوجی میں کام کرنے والی خواتین کو اکثر "سپر ویمن" کہا جاتا ہے جو بیک وقت طویل کلینیکل اوقات، تعلیمی ذمہ داریوں اور خاندانی وعدوں کو نبھاتی ہیں۔ اگرچہ اس تعریف میں کچھ سچائی ہے، لیکن یہ تسلیم کرنا بھی ضروری ہے کہ ہم، سب سے بڑھ کر، انسان ہیں۔ ہمیں ایسے سسٹمز کی ضرورت ہے جو اس حقیقت کو تسلیم کریں اور اسی کے مطابق

ہماری مدد کریں۔

خواتین کو بااختیار بنانے کا ایک اور اہم پہلو ہمارے اپنے پیشہ ورانہ کلچر کے اندر چھپا ہے۔ حقیقی ترقی اسی صورت میں ممکن ہو گی جب خواتین فعال طور پر دوسری خواتین کی حمایت کریں۔ اکثر، ان کہی مسابقت یا پیشہ ورانہ حسد اجتماعی ترقی کو کمزور کر دیتا ہے۔ اگر ہم پائیدار تبدیلی لانا چاہتے ہیں تو رہنمائی، تعاون اور باہمی احترام کا کلچر بنانا ناگزیر ہے۔

ONCO 2026 میں "ویمن فار آنکولوجی" کا آغاز ایک حوصلہ افزا شروعات ہے۔ تاہم، اس کا حقیقی اثر اس بات پر منحصر ہو گا کہ یہ اقدام کیسے آگے بڑھتا ہے: مینٹرشپ پروگراموں، قیادت کے مواقع، تحقیقی اشتراک اور اس پیشے میں موجود ساختی رکاوٹوں (barriersstructural) کو دور کرنے کے لیے پالیسی کی سطح پر وکالت کے ذریعے۔

ہم میں سے جو لوگ بیرونِ ملک کام کر رہے ہیں، ان کے لیے یہ تجربہ اس بات کی یاد دہانی بھی تھا کہ ہمارے پیشہ ورانہ سفر آپس میں گہرے جڑے ہوئے ہیں۔ پاکستان میں خواتین آنکولوجسٹس کو درپیش چیلنجز کوئی الگ تھلگ نہیں ہیں؛ یہ عالمی طبی برادری میں خواتین کے تجربات کی ہی بازگشت ہیں۔

لیکن ہمارا عزم بھی اتنا ہی مضبوط ہے۔ اگر ہم ایسے پلیٹ فارمز بناتے رہے جہاں خواتین کھل کر بات کر سکیں، اعتماد کے ساتھ قیادت کر سکیں، اور ایک دوسرے کا ساتھ دے سکیں، تو آنکولوجی کا مستقبل نہ صرف زیادہ جامع (inclusive) ہو گا، بلکہ یہ مریضوں، ہیلتھ کیئر سسٹمز اور آنے والی نسلوں کے ڈاکٹروں کے لیے بھی زیادہ مضبوط ثابت ہو گا۔

ڈاکٹر ہیرا یوسف خان، کنسلٹنٹ میڈیکل آنکولوجسٹ، لیڈز ٹیچنگ ہاسپٹل این ایچ ایس ٹرسٹ، برطانیہ
ڈاکٹر فیروز خان اچکزئی، کنسلٹنٹ ریڈی ایشن اینڈ میڈیکل آنکولوجسٹ، پاتھیک بینار کینسر ہاسپٹل، کوئٹہ
پروفیسر احمد ندیم عباسی، کنسلٹنٹ ریڈی ایشن آنکولوجسٹ، آغا خان یونیورسٹی ہاسپٹل، کراچی، پاکستان
ڈاکٹر اظہر رشید، صدر، پاکستان سوسائٹی آف کلینیکل آنکولوجی
ڈاکٹر وقاص اشتیاق علی، کنسلٹنٹ کلینیکل آنکولوجسٹ،